شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
	باب التقریظ والانتقاد			ادبیات	
۱	"الثقافۃ الاسلامیۃ	۶۹	۱	غزل : ۲۳۵، ۲۳۶،	۳۹۵، ۳۹۶
	فی الہند"		۲	ولادت باسعادت	۴۶۹
۲	رسائل واخبارات کے	۱۴۹		مطبوعات جدیدہ	
	خاص نمبر				۷۹، ۱۵۷، ۲۳۷، ۳۱۷، ۳۹۷، ۴۷۵

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۸۴

جولائی ۱۹۵۹ء تا دسمبر ۱۹۵۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب مولوی ثناء اللہ صاحب جامعہ دار السلام، عمر آباد	۳۱۴	۷	جناب مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۶۹
۲	جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس	۴۶۰	۸	جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر مدرس دار العلوم معینیہ، اجمیر	۱۸۷، ۲۴۵، ۳۵۱، ۴۰۵
۳	جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش	۹۹، ۲۶۶، ۳۶۶، ۴۵۱	۹	مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند	۵، ۸۵، ۱۶۵
۴	مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی رفیق دار المصنفین	۷۹، ۱۴۹، ۱۵۷، ۲۳۷، ۲۸۶، ۳۱۷، ۳۴۹، ۳۹۷، ۴۳۶، ۴۷۵	۱۰	ڈاکٹر محمد عبد الحمید صاحب فاروقی ایم اے پی، ایچ، ڈی صدر شعبۂ اردو و فارسی و اسلامک کلچر، گجرات کالج احمد آباد	۵۴
۵	جناب مولانا سید عبد الرؤف صاحب اورنگ آبادی	۴۲۲	۱۱	جناب مولوی محمد عثمان عمادی صاحب، بی، ایس سی علیگ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن	۲۰۹
۶	جناب مالک رام صاحب	۱۴۴	۱۲	جناب محمود الحسن صاحب ندوی، جامعہ نگر دہلی	۲۲۴، ۳۰۰

جلد ۸۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۹ء نمبر ۱

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ مہینہ ہماری جماعت کے ممتاز رکن اور ندوہ کے نامور فرزند مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے وفات پائی، انھوں نے متوسطات تک ندوہ میں تعلیم پائی، اور تکمیل جامعہ ازہر مصر میں کی تھی، علامہ رشید رضا کے خاص شاگردوں میں تھے، ان کا ذوق ابتدا سے سیاسی بلکہ انقلابی تھا، چنانچہ مصر کے قیام کے زمانہ میں قسطنطنیہ جاکر انور پاشا سے ملے، انکی ملاقات نے سیاست اور آزادی کا نشہ اور تیز کردیا، پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان واپس آئے، اور کچھ دنوں تک مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے، جن کی ذات اس زمانہ میں مسلمانوں کی سیاست کا مرکز تھی، مگر مولانا عبدالرزاق کے خیالات اس زمانہ کی سیاست سے بہت آگے تھے، اس لیے زیادہ دنوں تک یہ ساتھ نہ رہ سکا،

حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام کو ایک علمی و سیاسی رفیق کار کی تلاش تھی، اس کے لیے ان کی نگاہ انتخاب مولانا عبدالرزاق پر پڑی اور ان کو انھوں نے کلکتہ بلالیا، اس وقت سے وہ مولانا کے دامن سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا، وہ برسوں مولانا ابوالکلام کے سیاسی اور علمی کاموں میں ان کے دست راست رہے، چنانچہ دوسرے دور کے البلاغ اور مشہور عربی اخبار الجامعہ کے اڈیٹر مولانا ابوالکلام برائے نام تھے، ان کا پورا کام

مولانا عبدالرزاق انجام دیتے رہے، الجامعہ ہندوستان میں عربی کا پہلا معیاری اخبار تھا، جس کی شہرت عرب ملکوں تک تھی، ہندوستان کے مسلمانوں میں عربی ادب و انشا کا صحیح ذوق پیدا کرنے اور عرب ملکوں سے ان کا رابطہ استوار کرنے میں اس اخبار کا بڑا حصہ ہے، ان علمی و صحافتی مشاغل کے ساتھ سیاسی تحریکوں میں بھی عملی حصہ لیتے رہے، اور اس راہ میں قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں، ہندوستان کی جنگ آزادی کے سلسلہ میں جب مولانا ابوالکلام کی مشغولیتیں زیادہ بڑھ گئیں اور وہ اپنے علمی و صحافتی مشاغل چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو مولانا عبدالرزاق صاحب نے مختلف اوقات میں پیغام ہند اور آزاد ہند وغیرہ متعدد اخبار نکالے آزاد ہند اب تک جاری ہے، بنگال کے مسلمانوں کی بیداری اور ہندوستان کی تحریک آزادی میں الہلال اور البلاغ کے بعد اس اخبار کا نمایاں حصہ ہے،

ہندوستان کی آزادی کے بعد مولانا ابوالکلام نے مولانا عبدالرزاق کو دلی بلالیا اور وہ حکومت ہند کے ثقافتی تعلقات کے شعبہ کے عربی رسالہ ثقافۃ الہند کے اڈیٹر اور آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی کے شعبۂ عربی کے انچارج مقرر ہوئے اور کئی سال تک یہ دونوں کام انجام دیتے رہے، پھر مولانا ابوالکلام کی وفات کے بعد ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ ملازمت چھوڑکر کلکتہ چلے گئے، ان کو ایک مرتبہ حلق میں کینسر کی شکایت ہوچکی تھی مگر علاج سے افاقہ ہوگیا تھا، چند دنوں کے بعد پھر یہ مرض ابھر آیا، اس مرتبہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور اسی مرض میں گذشتہ مہینہ وفات پائی، وفات کے وقت ۶۴ - ۶۵ سال کی عمر رہی ہوگی،

مولانا عبدالرزاق خالص افغانی پٹھان تھے، اس لیے پٹھانوں کی خوبیاں اور خامیاں دونوں ان کے حصہ میں آئی تھیں، وہ کہنہ مشق صحافی تھے، ان کی پوری عمر صحافت میں گذری، عربی اور

اردو دونوں کے ادیب تھے، نہایت فصیح و سلیس عربی اور اردو لکھتے تھے، اخبارات کے علاوہ انہوں نے مختلف اوقات میں اردو کے کئی رسالے نکالے اور ان کے ذریعہ اسلامی تاریخ اور عربی تہذیب و ثقافت سے متعلق خاصہ لٹریچر اردو میں پیدا کردیا، وہ طبعاً انتہاپسند، انقلابی اور آزاد خیال تھے، اس کا اثر ان کے سیاسی اور مذہبی خیالات میں نمایاں تھا، سیاسی خیالات میں وہ کمیونسٹ تھے، اور مذہب میں غیر مقلد اور ترقی پسند تھے، تقلید جمود اور بدعات کے سخت مخالف تھے، ابتدا میں اسی اثر کے ماتحت انھوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے بہت سے رسائل کا اردو میں ترجمہ کیا، مگر بعض اوقات ان کی آزاد خیالی صحیح مذہب کے حدود سے بھی آگے نکل جاتی تھی،

طبعاً نہایت شریف، مخلص، دوست نواز، متواضع، بے تکلف، فیاض، سیرچشم، خوش مزاج اور بذلہ سنج انسان تھے، روپیہ پیسہ کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، انھوں نے جو کچھ پیدا کیا سب صرف کردیا، حکومت ہند میں ڈیڑھ ہزار ماہوار پاتے تھے، مگر ایک حبہ نہیں بچتا تھا، ان کی فیاضی سے ان کا ہر ملنے والا مستفیض ہوتا تھا، اور لطف یہ کہ ان کی زندگی نہایت سادہ بلکہ طالب علمانہ تھی، ان کی بے سروسامانی دیکھ کر کوئی شخص یہ یقین ہی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اتنی بڑی تنخواہ پاتے ہیں، مولانا ابوالکلام کے ساتھ برسوں رہے، ان کے ہمدم و ہمراز اور انیس جلوت و خلوت تھے، ان سے زیادہ مولانا سے قریب اور ان کا واقف کار دوسرا شخص نہیں نکل سکتا، مولانا بھی ان کی بڑی قدر اور ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے،

ان کی پوری زندگی قوم و ملت، ملک و وطن اور علم و ادب کی خدمت میں گذری، ان کے مضامین کے علاوہ تصانیف کی تعداد دو درجن سے کم نہ ہوگی، دہلی کے قیام کے زمانہ میں عربی اردو کا ایک

مبسوط لغت مرتب کر رہے تھے جس کا ایک حصہ لکھ بھی چکے تھے، اور مولانا ابوالکلام کی ایک سوانح عمری بھی لکھی تھی جس کے متعلق ان کا بیان تھا کہ اس میں ایسے اہم واقعات ہیں جن کا کسی کو بھی علم نہیں، اس لیے یہ کتاب ان کی یا مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوگی، یہ سوانح عمری غالباً اس سوانح عمری سے مختلف ہے جو انھوں نے مولانا کی وفات کے بعد مولانا کی روایت سے شائع کی ہے، ان کتابوں کے علاوہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض اور تصانیف بھی ان کے پیش نظر تھیں جن میں سے غالباً بعض کتابیں انھوں نے شروع بھی کردی تھیں، یقین ہے کہ ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کے مسودے ان کے لائق فرزند عزیزی احمد سعید خاں صاحب کے پاس محفوظ ہوں گے، اور وہ ضائع ہونے نہ پائیں گے، مولانا عبدالرزاق نے اپنے قلم سے عرصہ تک مذہب و ملت کی خدمت کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ اور اپنی رحمت کے طفیل میں ان کی بشری لغزشوں سے درگذر کرکے اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ رحمۃً واسعۃً

دوسرا حادثہ دنیائے عرب کی نامور شخصیت ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مصری کی وفات کا ہے، وہ عربی دنیا کے اکابر رجال میں تھے، ان میں علم و سیاست دونوں کا اجتماع تھا، وہ اسلامی علوم و ادب کے فاضل، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرنچ وغیرہ متعدد زبانوں کے ماہر تھے، اردو سے بھی واقفیت رکھتے تھے، انھوں نے مصر اور لندن کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی، ابتدا میں مدرسۂ قضاء شرعی کے استاد مقرر ہوئے تھے، پھر فواد یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور ترکی کے پروفیسر پھر اسی یونیورسٹی میں شعبۂ الالسنہ شرقیہ کے صدر مقرر ہوئے، اور آخر میں آرٹس کالج کے پرنسپل ہوگئے تھے، علم کیساتھ سیاست میں بھی ممتاز تھے، چنانچہ مختلف اوقات میں حکومت مصر کیجانب سے لندن، سعودی عرب اور پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے، تھوڑے دن ہوئے سعودی حکومت نے ریاض یونیورسٹی کے قیام و تاسیس کے سلسلہ میں انکی خدمات حاصل کی تھیں، ابھی وہ اس کام کو انجام دے رہے تھے کہ پیام اجل آگیا، انھوں نے

اپنے قلم و دماغ سے علم وفن اور دنیائے عرب کی بڑی قیمتی خدمات انجام دین اور علمی مضامین کے علاوہ بہت سی محققانہ تصانیف اور تراجم یادگار چھوڑے، عربی دنیا میں انکی موت سے جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ مشکل سے بھر سکیگی، اللہ تعالیٰ علم و ملت کے اس خادم کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے۔

اس گئی گزری حالت میں بھی الحمد للہ مسلمانوں میں ایسی ہستیاں موجود ہیں جن پر بجا طور سے فخر کیا جا سکتا ہے، آج ہم ایک ایسی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں جس سے غالباً بہت کم لوگ واقف ہونگے، یہ شخصیت ڈاکٹر خان عبد اللطیف خان کی ہے، وہ دار المصنفین کے قدردانوں میں ہیں، انکا اصل وطن کھنڈوہ سی پی ہے اور اب وہ کویت میں پریکٹس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انکو جس طرح دولت دنیا سے نوازا ہے اسی طرح وہ قوم و ملت کی راہ میں صرف بھی کرتے ہیں، وہ دو سال سے دار المصنفین کو ایک ہزار روپیے سالانہ بھیجتے تھے، کویت کی دولت کے افسانے سنکر انکو توجہ دلائی گئی کہ دار المصنفین کے کتبخانہ میں بجلی کی روشنی اور پنکھا نہیں ہے، جس کے لیے دو ہزار روپئے کی ضرورت ہے، اگر وہ کویت کے دو چار علم دوست اصحاب ثروت کو دار المصنفین کا لائف ممبر بنوا دیں تو یہ دونوں ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں، خط ملنے کے ساتھ ہی انھوں نے دو ہزار روپیے بحری تار کے ذریعہ بھیجدیے، ایک ہزار اپنی اور ایک ہزار اپنی بیگم صاحبہ کی جانب سے، ہم نے جب اسکے اعلان کی اجازت چاہی تو انکار کیا کہ یہ رقم انھوں نے حسبةً للہ دی ہے، اس لیے اسکے اعلان کی ضرورت نہیں، اور جب اس کے لیے زیادہ اصرار کیا گیا تو بمشکل آمادہ ہوئے، اس قسم کی فیاضیوں کا اعلان اسلیے ضروری ہے کہ اس سے قوم کے اصحاب ثروت کو سبق حاصل ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ انکی یہ فیاضی دار المصنفین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ مذہبی مدارس اور دینی اداروں کو اس سے بھی بڑی بڑی رقمیں دیتے رہتے ہیں، اس زمانہ میں ایسی فیاضی کی مثالیں کم ملیں گی، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب موصوف اور انکی بیگم صاحبہ کو اسکا اجر عطا فرمائے۔

ہم کو اس کا دلی افسوس ہے کہ ناظرین معارف کو اس مہینہ غیر معمولی انتظار کرنا پڑا، یہ اس مجبوری کی بنا پر پیش آیا کہ ادھر کئی مہینہ سے کاغذ کا اتنا قحط تھا کہ کسی قیمت پر بھی نہیں ملتا تھا، بڑی مشکلوں سے بقدر ضرورت فراہم ہوسکا ہے، اس تاخیر کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں، انشاء اللہ آیندہ مہینہ سے پرچہ وقت سے شائع ہوگا۔

مقالات

امام حسن بن محمد الصغانی لاہوری

از

جناب مولانا عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۶)

ہندوستان میں صغانی کے طویل قیام کے اثرات

صغانی کے اس طویل قیام نے خلافت بغداد سے ہندوستان کے رشتہ کو مزید استحکام بخشا اور رجب ۶۲۲ھ میں خلیفہ الناصر لدین اللہ کا انتقال ہوگیا اور خلیفہ الظاہر لدین اللہ سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کے سکون پر بھی بجز خلیفہ کے نام کی تبدیلی کے وہی عبارت ثبت رہی جو خلیفہ الناصر لدین اللہ کے دور میں ہوتی تھی، خلیفہ الظاہر لدین اللہ کا زمانۂ خلافت سال بھر سے کم رہا، ۶۲۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا المستنصر باللہ مسند خلافت پر بیٹھا، تب بھی ان تعلقات میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، اور حسب دستور وہی عبارت جو گذشتہ خلفاء عباسیہ کے سکون پر رقمزد ہوتی تھی، اسکے دور میں بھی باقی رہی،[1]

المستنصر باللہ نے تخت نشین ہونے کے بعد صغانی کو بغداد طلب کیا، ہندوستان سے ان کی روانگی کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ ۶۲۳ھ کے اواخر یا ۶۲۴ھ

۱؎ ملاحظہ ہو The Sultans of Dehli their coinage and metrolagy by wright P.U. 1936

کے اوائل میں یہاں سے روانہ ہوئے اور ۶۲۳ھ میں بغداد پہنچے، جیسا کہ مورخ ذہبی کا بیان ہے:

ذهب منها بالرسالة الشريفة	ان کو دار الخلافت بغداد سے سفارت
الى صاحب الهند فبقى مدة	کے عہدہ پر ہندوستان کے بادشاہ کے
وقدم سنة اربع وعشرين	دربار میں بھیجا گیا جہاں ایک مدت دراز تک
وستمائة[1]	انکا قیام رہا اور ۶۲۴ھ میں وہاں واپس آئے،

صغانی کی بغداد میں آمد مورخ بغداد کمال الدین ابن الفوطی نے الحوادث الجامعہ میں سال کا تعین نہیں کیا ہے، لیکن اس امر کی تصریح کی ہے کہ صغانی المستنصر باللہ کے زمانہ میں آئے تھے، لکھتے ہیں:

نفذه الخليفة الناصر رسولاً	آپ کو خلیفہ الناصر ... نے ہندوستان
الى ملك الهند، فعاد بعد	کے بادشاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا،
مدة طويلة فى خلافة	تو ایک مدت دراز کے بعد مستنصر باللہ
المستنصر بالله[2]	کے دور خلافت میں واپس آئے،

صغانی کو بعض امور پر گفت و شنید کے لیے بغداد طلب کیا تھا، اس لیے ان کا وہاں زیادہ قیام نہیں رہا اور اسی سال ہندوستان بھیج دیا گیا، الذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں؛

ثم اعيد اليها رسولاً عامئذ[3]	پھر اسی سال (۶۲۴ھ) میں انکو ہندوستان
	واپس بھیج دیا گیا،

صغانی شعبان ۶۲۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے تھے، ابن ابی الوفاء القرشی، المتوفی

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی، مخطوطہ کتب خانہ ریاست رامپور [2] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ طبع بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۲۶۶ [3] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی

۷۷۵ھ الجواہر المضیہ میں لکھتے ہیں:

رجع منها سنة اربع وعشرين	وہ ہندوستان سے ۶۲۴ھ میں بغداد آئے
واعيد اليها رسولاً فى	اور پھر اسی سال شعبان میں سفیر
شعبان من السنة[1]	ہوکر واپس ہندوستان چلے گئے.

مورخین کے بیانات اور صغانی کی تصریح کے پیش نظر (جو آگے مذکور ہے) مولانا عبد الحی صاحب کا بیان کہ موصوف رضیہ سلطانہ کے دور میں سفیر ہوکر یہاں آئے تھے، کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ رضیہ سلطانہ ربیع الاول ۶۳۴ھ میں تخت نشین ہوئی، اور صغانی اس وقت بغداد میں نہ تھے، نزہۃ الخواطر میں ہے:

ثم خرج من الهند سنة اربع	پھر وہ ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے روانہ
وعشرين وستمائة فحج ودخل	ہوئے، حج کیا اور یمن پہنچے، پھر بغداد
اليمن ثم عاد الى بغداد	آئے، اس کے بعد مستنصر باللہ کے دربار
ثم اعيد الى الهند رسولاً	سے آپ کو ہندوستان سفارت پر
من حضرة المستنصر بالله	سلطانۂ ہند رضیہ بنت التمش
العباسى الى رضية بنت	کے دربار میں بھیجا گیا،
الايلتمش ملكة الهند[2]	

بصرہ میں ورود اور حضرت صحار عبدی رض کے مزار پر حاضری بغداد سے واپسی پر جب صغانی بصرہ میں ٹھہرے تو حضرت صحار العبدی رضی اللہ عنہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے، مجمع البحرین میں لکھتے ہیں:

[1] ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ج ۱ ص ۲۰۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۳۸

صحار العبدی رضی اللہ عنہ[1] له صحبة دفن بظاهر البصرة نائيا عن البلد قال الصغاني مؤلف هذا الكتاب وقد زرت قبره في شعبان من سنة اربع وعشرين وستمائة وصحار بلدة وهي قصبة عمان مما يلي الجبل وتؤام قصبتها مما يلي الساحل[2]

حضرت صحار العبدی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے، بصرہ سے باہر شہر سے ذرا دور آپ کا مزار ہے، صغانی اس کتاب کا مولف کہتا ہے میں نے شعبان ۶۲۴ھ میں آپ کی قبر کی زیارت کی، صحار چھوٹا سا شہر ہے جو عمان کے توابع میں پہاڑ سے متصل ہے اور ان حدود سے ملا ہوا ہے جو ساحل بحر ہے

[1] حضرت صحار رضی اللہ عنہ قبیلہ عبد القیس سے تھے، اسی نسبت سے العبدی مشہور ہوئے، آپ کو حضور اکرم کی زیارت اور صحبت کی سعادت حاصل تھی، انساب پر آپ کی گہری نظر تھی، نہایت سحر طراز خطیب اور بڑے فصیح اللسان بزرگ تھے، جاحظ نے اپنی زندۂ جاوید کتاب البیان والتبیین اور کتاب الحیوان میں فصاحت و بلاغت سے متعلق بہت سی باتیں آپ ہی کے حوالہ سے نقل کی ہیں، آپ بعض کتابوں کے مصنف بھی تھے، ابن الندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں:

له من الكتب كتاب الامثال — آپ کی تصانیف میں سے کتاب الامثال بھی ہے

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہو چکا تھا، اور ان کے زمانہ میں علم لغت کی تدوین بھی شروع ہو گئی تھی علم الامثال کی تدوین کا سہرا آپ ہی کے سر ہے،

حضرت صحار عبدی کا تذکرہ طبقات ابن سعد سے لیکر اصابہ تک طبقات کی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن آپ کے مزار کی اتنی صراحت کہیں نہیں ہے، مجمع البحرین، سید مرتضیٰ الزبیدی کو نہیں ملی، اسلئے تاج العروس بھی ان معلومات سے خالی ہے،

[2] مجمع البحرین، روٹوگراف کاپی اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی مادہ صحر،

صغانی کے بعض بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بحر فارس کے راستہ سے ہندوستان آئے تھے، چنانچہ آتے وقت جزیرۂ خارک میں بھی ٹھہرے تھے، سید مرتضیٰ الزبیدی المتوفی ۱۲۰۶ھ العباب الزاخر کے حوالہ سے تاج العروس میں لکھتے ہیں،

قال الصغاني وقد دخلت خارك سنة ستمائة و اربع وعشرين حين ارسلت ثانية من دار الخلافة عظمها الله تعالى رسولا الى ملك الهند شمس الدين ايلتتمش انار الله برهانه[1]

صغانی کہتا ہے کہ میں ۶۲۴ھ میں خارک میں بھی گیا ہوں، جب دوبارہ مجھے دار الخلافہ بغداد (اللہ تعالیٰ اس کی عظمت کو دوبالا کرے) سے سفیر بنا کر ہندوستان کے بادشاہ شمس الدین ایلتتمش انار اللہ برہانہ کے دربار میں بھیجا گیا تھا،

واضح رہے اس مرتبہ صغانی کو تنہا نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ ایک پورا وفد آپ کی سرکردگی میں آیا تھا، یہ وفد ۶۲۵ھ میں ہندوستان کے حدود میں داخل ہوا، اور ۶۲۶ھ میں دہلی پہنچا، یہاں اس کا نہایت شاندار استقبال ہوا، منہاج الدین جوزجانی، طبقات ناصری میں رقم طراز ہیں:

چون پائے آں قلعہ (اچہ) انصراف فرمود در موافقت حشم منصور آن پادشاہ غازی (ایلتتمش) بحضرت دہلی اجلہا اللہ آمد، و در ماہ رمضان سنہ خمس وعشرین وستمائۃ بحضرت دہلی اعلی وصول بود، دریں وقت رسل دار الخلافت باتشریفات وافرہ بحدود ناگور رسیدہ بود، و در روز شنبہ بیست و دوم ماہ ربیع الاول

[1] ملاحظہ ہو العباب بحوالہ العروس مادہ خرک

ستۃ و عشرین ستمائۃ بحضرت دہلی رسیدند و شہر را آذین بستند و آن پادشاہ و ملوک و فرزندان آن طاب ثراہم و دیگر ملوک و خدم و بندگان ہمہ بخلعت دار الخلافت مشرف گشتند۔[1]

یہ وفد خلافت بغداد سے خلعت فاخرہ اور علم وغیرہ لیکر خشکی کی راہ سے آیا تھا، مگر صغانی بحری راستہ سے اس سے پہلے پہنچ گئے تھے، اسی وفد کے متعلق عبد اللہ بن عمر المکی ظفر الوالہ میں لکھتے ہیں :-

کان وصوله الیها فی رمضان	رمضان ۶۲۵ھ میں سلطان التمش دہلی
من سنة خمس وعشرین و	پہنچا تو اسے خلیفہ بغداد کے ایلچیوں کی آمد کی
بہابلغہ وصول رسول الخلیفة	اطلاع ملی کہ وہ بغداد سے براہ خشکی بڑے
الی ناگور تجهز من بغداد الیہ برا	ساز و سامان کے ساتھ ناگور آ گئے ہیں اور
فی سنة وعشرین وصل حاجب الخلیفة	۶۲۶ھ میں خلیفہ عباسی امیر المومنین
العباسی امیر المومنین المستنصر باللہ	مستنصر باللہ ابو جعفر بن الظاہر کی خلعت
ابو جعفر بن الظاهر بخلعة	اور علم لیکر سلطان شمس الدین التمش کے دربار
الخلافة ولوائها الی شمس الدین	میں پہنچے تو خلیفہ نے اس وفد کا استقبال کیا
فاستقبله وامرہ بالزینة	اور شہر اور دربار کو آراستہ کرنے کا حکم دیا اور
وکان یوما مشهودا"[2]	یہ ایک یادگار دن تھا،

فخر الدین مبارک شاہ نے تصریح کی ہے کہ سلطان التمش نے اس وفد کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور خلیفہ بغداد کی خدمت میں کچھ تحائف بھی بھیجے تھے مگر صغانی واپس نہیں گئے، ان کا قیام یہیں رہا، تاریخ مبارک شاہی میں ہے :

[1] ملاحظہ ہو طبقات ناصری مرتبہ آقائے عبد الحی حبیبی طبع کوئٹہ ۱۹۴۹ء ج ۲ ص ۲۴۵
[2] ملاحظہ ہو ظفر الوالہ بمظفر وآلہ طبع لندن ج ۲ ص ۶۶۸

در سنہ ست وعشرین وستمائۃ رسولان دار الخلافت جا بہاے مرحمت خلیفہ خلد اللہ خلافتہ برائے سلطان مرحوم آوردند سلطان مرحوم چنانچہ شرط اطاعت و خدمت گاری باید بجا آورد با فرزندان و ملوک بزرگ بجملہ چندان فرحت و بہجت روے داد کہ در تحریر نیاید، در شہر قبہا بستند و طبل و شادیانہ کوفتند، بعد چند گاہ رسولان دار الخلافت را با عزاز و اکرام روان کرد و خدمت بسیار در حضرت دار الخلافت فرستاد۔[1]

اس مرتبہ بھی صغانی کا قیام مستقل ایک جگہ نہیں رہا، مگر جہاں بھی رہا درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا اور جس خطہ میں بھی آپ کے قدم گئے وہ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے معمور ہو گیا، ملوک و سلاطین سے لیکر فقراء و مساکین تک سب نے زانوئے تلمذ تہ اور حدیث رسول کے نور سے اپنے قلب و نظر کو منور کیا، شیخ فرید الدین محمود بن علی الناگوری المتوفی ۷۵۲ھ سرور الصدور میں لکھتے ہیں :

ہم دین ذکر مولانا رضی الدین صغانی افتاد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب مصابیح[2] کہ ایشان در ناگور آمدند[3]، می گویند، دستار سخت بر بستندے[4]، و در ار آستینہا دراز[5]

[1] ملاحظہ ہو تاریخ مبارک شاہی مولفہ یحییٰ بن احمد السیہرندی مطبع بپٹیسٹ مشن کلکتہ ۱۹۳۱ء ص ۱۹،
[2] مصابیح الدجی بھی صغانی کی حدیث میں ایک مشہور اور مقبول کتاب تھی جو اب مشارق الانوار میں محفوظ ہے، اس کا تذکرہ صغانی نے مشارق الانوار کے مقدمہ (طبع آستانہ ص ۴) میں کیا ہے اور لکھا ہے لوگ اس کے سماع پر ٹوٹے پڑتے تھے اور اس کے ساتھ بڑا انہماک اور شغف رکھتے تھے[3] ناگور ایک مشہور شہر جو اب جودھپور کے حدود میں واقع ہے مسلمان حکمرانوں میں سب سے پہلے معز الدین بہرام شاہ نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا، طبقات ناصری (طبع کلکتہ ۱۲۶۴ھ ص ۲۲) میں مذکور ہے :

(باقی ص ۱۲ پر)

پوشیدہ نماند، سخت فاضل و عالم، محدث تام، چنانچہ می گفتند[1] کہ ایں مصباح الدجی
در یک روز در یک محفل تمام فرد خواند کرد، و بزرگان ناگور، قاضی حمید الدین ناگوری
و قاضی کمال الدین و بزرگان دیگر از صدور و ملوک از خدمت ایشان سماع کردند
و اجازت در روایت یافتند[2]

مصباح الدجی کا درس اس طرح ہوتا تھا کہ درس کے وقت جب کوئی نیا اور مشکل لفظ آجاتا اور شاگردوں میں سے کوئی اس کے متعلق کچھ پوچھتا تو آپ فرماتے، یہ لفظ صحاح جوہری کی فلاں جلد، فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں ہے، دیکھ لو، شیخ فرید الدین ناگوری لکھتے ہیں:

ایں صحاح لغت را مولانا رضی الدین صغانی بنشستہ جلد کردہ بود ہر جا کہ نشستے پیش او بودے، ہر کرا لغتے مشکل شدے، بگفتے در فلاں جلد و فلاں صفحہ و فلاں سطر ایں لغت است، یک سبق بیجان بود کہ مولانا گفتے[3]. ایں چنیں ملکہ کردہ بود مردان رنجہا بردہ اند و زحمتہا کشیدہ اند، تا بجا بگاہی رسیدہ، شما رائیگاں می طلبید و انجہ

(بقیہ حواشی ص ۱۱) معز الدولہ بہرام شاہ ...... بطرف ہندوستان غزوہا کرد و محمد باہلیم را در بست و ہفتم رمضان سنۃ اثنی عشر و خمسمائۃ بگرفت و بند کرد و باز قبضش بگذاشت و ولایت ہندوستان تمام او را داد و بار دیگر عاصی شد و قلعہ ناگور در ولایت سوالک بحد بیرہ بنا کرد۔"

چونکہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ کے وطن ہونے کا فخر اس شہر کو حاصل رہا ہے، اس لیے یہ ایک خاص شہرت کا مالک ہے، صاحب تاج العروس نے اسی نسبت سے اسکو تاج العروس میں بھی جگہ دی ہے اور لکھا ہے۔

ناگور بفتح الکاف مدینۃ بالہند و منہا الشیخ حمید الدین الصوفی الناگوری الملقب بسلطان التارکین من قدماء الشیوخ	ناگور بفتح الکاف (گ) ہندوستان میں ایک شہر ہے، شیخ حمید الدین ناگوری یہیں کے رہنے والے تھے جن کا لقب سلطان التارکین ہے اور آپ قدماء مشائخ میں سے ہیں،

[3] فی الاصل نیر ابنہ ہی [4] فی الاصل وداع، اگر الفنہ ہوتا تو ورع بمعنی ورا، درست تھا

(حواشی صفحہ ہذا) [1] فی الاصل فی آرند [2] ملاحظہ ہو سرور الصدور من ملفوظات حمید الدین المرد و منہ تکملہ نور البدور (مخطوطہ) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ص ۱۸۱، ۲ [3] فی الاصل مراہان،

یافتہ آید آنرا ہم شکر نمی گوئید[1]

صحاح جوہری کا درس

اسی طرح صغانیؒ نے ہندوستان اور سندھ میں صحاح جوہری کا بھی درس دیا ہے جیسا کہ العباب الزاخر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

فی ھذا الکتاب مما یشاکل ما	اس کتاب (العباب) میں اس قسم کے تمام
ذکرت منیف علی الفی موضع	الفاظ (اغلاط جوہری) جن کا میں نے ذکر
نبھت علیھا کلھا فی کتابی	کیا ہے وہ دو ہزار سے بھی زیادہ مواقع
التکملۃ و مجمع البحرین وقد	پر ہیں، میں نے ان پر اپنی دونوں کتابوں
صحح نسخته وحشاھا من قرأ	التکملہ اور مجمع البحرین میں تنبیہ کردی ہے
علی ھذا الکتاب بالھند	جن لوگوں نے صحاح جوہری مجھ سے ہندوستان
والسند والیمن والعراق[2]،	سندھ، یمن اور عراق میں پڑھی ہے انھوں
	نے اپنے نسخہ کی تصحیح اور اس کا تحشیہ بھی
	میرے پاس کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صغانیؒ نے یہاں صحاح جوہری کا درس ہی نہیں دیا ہے، بلکہ اس کی تصحیح اور تحشیہ کا بھی کام کرایا ہے،

صغانی کی سیر و سیاحت اور ریاضت و عبادت

صغانی کے بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی سیر و سیاحت کا دائرہ مملکتِ اسلامیہ کے حدود تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ دار الحرب میں بھی صغانیؒ کی آمد و رفت رہی ہے اور انکی سیاحت محض سیر و تفریح کے لئے نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد نفس کا تزکیہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو سرور الصدور مع تکملہ بدر البدور (مخطوطہ) ص ۲۶۶ [2] ملاحظہ ہو مقدمہ العباب، مخطوطہ راقم السطور منقولہ از نسخہ مولانا عبدالعزیز المیمنی زید مجدہم،

عبادتِ الٰہی میں انہماک اور اشتغال تھا، کیونکہ بلادِ اسلامیہ میں آپ کا جتنے عرصہ قیام رہتا، طالبانِ علوم کا اتنا ہجوم رہتا کہ عبادت وریاضت کا موقع نہ ملتا، اس لئے آپ کبھی کبھی اس کام کے لئے دار الحرب میں چلے جاتے، اور عبادت وریاضت میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ گویا اس عالم قدس کے سوا دنیائے فانی سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے، اس حقیقت کا انکشاف اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ناگور میں علمائے اور اعیانِ مملکت آپ سے مصباح الدجی کا سماع کر رہے تھے کہ آپ کے ایک دوست نے آپ سے درخواست کی کہ کچھ علم تصوف کی بھی تعلیم دیجئے، آپ نے فرمایا اس وقت میں درس حدیث میں مشغول ہوں، فرصت نہیں، اگر تمھیں اس کی طلب ہے تو میرے ساتھ ایسے مقامات پر چلو جہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو، وہاں تمھیں بتاؤں گا تصوف کیا ہے، اس دوست کی طلب صادق تھی، اس لئے وہ گجرات کے سفر میں آپ کا رفیقِ سفر ہوا، وہاں آپ نے . . . عملاً یہ بتلایا کہ تصوف عمل اور اخلاص کا اعلیٰ نمونہ اور استقامت وصفتِ احسان کا دوسرا نام ہے، اس کا تعلق سراسر عمل سے ہے گفتار اور قال سے نہیں، تصوف کی حقیقت عمل ہی کی راہ سے منکشف ہوتی ہے، اگر اس میں کمال پیدا کرنا ہے تو تم اسی طرح عبادت کرو جس طرح مجھے دیکھتے ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (اسی طرح سے نماز پڑھو جس طرح سے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو) یہ شخص ریاضت وعبادت میں آپ کا استغراق وانہماک دیکھ کر حیران رہ گیا، اور جی چھوڑ بیٹھا، سرور الصدور میں اس کی پوری تفصیل ہے،

"وہم دریں فرمودند، کہ او را یارے بود کہ از خدمت مولانا رضی الدین علیہ الرحمۃ علم تصوف درخواست کردے تا وے را بیاموزند چیزے از آں علم، خدمت ایشاں فرمودند کہ مرا ایں جا مشغولی است کہ خلق ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست کہ دریں میان ترا علم تصوف بیاموزم اگر می خواہی کہ ایں علم بیاموزی دریں سفر ہا کہ می روئیم، و دریں بلادِ کفار کہ انجا[1]

[1] فی الاصل کہ نجا،

ایں چنیں انبوہے نباشد، بیائی تا ترا ایں علم بیاموزم می گویند چوں دراں دار الحرب رسیدند چنانچہ جالور[1] و گجرات[2]، و دریں روزہا دستار[3] و دراپچپید و بقچہ با خریطہ نہادہ و پیراہنے کوتاہ بپوشید و نعلین در پاے کرد و کوزہ آب برگرفت و در نماز و طاعت مشغول شد و وے رفت تا روزے ایں مرد گفت کہ آخر ز من از خدمت شما علم تصوف می خواہم کہ بیاموزم و شما گفتہ بودید کہ چوں بدیں بلاد برسیم کہ فراغت باشد از دیگر گفت و شنود ترا از آں علم چیزے بیاموزم خدمت گفتند بد انکہ علم تصوف بقال نیست، بحال است، چنانکہ من می کنم و در امی بینی و نماز می گذارم و کارہا دیگر چنانچہ از من می بینی[4] تو نیز ہمچنیں می کن کہ علم تصوف بجز دانستن و گفتن کہ تصوف اینست،

صوفیاء اور علماء کا یہی وہ عمل تھا جس نے سخت سے سخت تر قوم کو بھی حلقہ بگوش اسلام بنا دیا تھا، اسی طویل اقتباس کا ایک ٹکڑا جناب خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں سرور الصدور ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی نسبت موصوف کا خیال ہے کہ اس واقعہ کا تعلق شیخ حمید الدین ناگوری سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"شیخ حمید الدین ناگوری نے علم حدیث کو علم تصوف سے زیادہ اہمیت دی اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کیا، ایک دن اپنے ایک مرید سے فرمانے لگے"

[1] جالور، جو دھپور میں ایک چھوٹا سا شہر ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں علاء الدین کے لشکر نے خمس کا مطالبہ کیا تھا، تفصیل کے لئے دیکھو ظفر الوالہ بمظفر والہ طبع لیڈن ج ۲ ص ۸۰۵، [2] گجرات پورے طور پر علاء الدین خلجی کی فتوحات کے بعد ۶۹۶ھ میں اسلامی قلمرو میں شامل ہوا ہے، اسی لئے اس کو دار الحرب سے تعبیر کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھو مرآۃ احمدی از محمد خاں بہادر طبع کلکتہ ۱۹۲۸ء ج ا ص ۳۲ [3] فی الاصل دستار و زاغ پیچید، [4] فی الاصل نہ بینی،

مرا ایں جا مشغولی ست کہ خلق ناگور دریں | مجھے یہاں یہ مشغولیت ہے کہ آج کل ناگور
وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا | کے لوگ مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں مجھے
فرصت نیست کہ درین میان ترا علم تصوف | فرصت نہیں کہ اس دوران میں تجھے علم
بیاموزم، (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۹) | تصوف سکھاؤں،

ہم نے جو اقتباس پیش کیا ہے اس میں کہیں اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس واقعہ کا تعلق شیخ حمید الدین ناگوری سے ہے۔

جب ۲۰ر شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التتمش کا انتقال ہو گیا تو اس کی اولاد میں خانہ جنگی ہوئی، آخر کار اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین حریفوں پر غالب آیا، اور فیروز شاہ لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا، مگر اس کا دورِ حکومت پر آشوب گذرا، یہ خود سر، سخت گیر اور عیش پرست تھا، مگر اس نے خلیفۃ المومنین کی نیابت اور اطاعت سے سرمو انحراف نہ کیا، اس کے دور کے ڈھلے ہوئے سکون پر ناصر المومنین کے الفاظ اس امر کا بین ثبوت ہیں، ہمیں یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ صغانیؒ کے اس طویل قیام نے خلیفۃ المسلمین کا احترام ہی مسلمانوں کے دلوں میں زندہ نہیں کر دیا تھا، بلکہ اُن میں یہ جرأت بھی پیدا کر دی تھی کہ اگر کسی کو سلطان وقت سے داد رسی میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی کا اندیشہ ہوتا تھا تو وہ بادشاہِ وقت سے یہ کہنے میں ذرا نہیں جھجکتا تھا، کہ اگر ہماری داد و فریاد نہیں سُنی گئی، یا جو ظلم و ستم ہم پر ہوا ہے اس کا بدلہ نہیں لیا گیا تو ہم بغداد جا کر خلیفہ سے داد خواہی کریں گے، تاج الدین ریزہ جو ایک ملنسار، شگفتہ مزاج اور بدیہہ گو شاعر تھا، جب اس کے کسی دشمن نے اسے زدو کوب کیا تو اس نے ان مظالم کی ایک داستان نظم کی اور منظوم فریاد اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے دربار میں پیش کی جسے اس طرح شروع کرتا ہے۔

بفریاد آمدم اینجا بفریاد | مگر شاہ جہاں دادم دہد داد

اور آگے لکھتا ہے،

اگر دادے نیابم ایں ستم را | روم زین خاک خوں آشام برباد
ز آبِ چشم امیر المومنین را | نمایم دجلۂ دیگر بہ بغداد

رکن الدین فیروز شاہ کی سخت گیری عیش کوشی اور سرمستی نے جلد ہی اعیانِ مملکت اور اربابِ اقتدار کو اس سے برگشتہ کر دیا اور سب نے سازش کر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، یہ اُن کی سرکوبی کے لئے نکلا مگر اس کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کی بہن رضیہ کو تخت سلطنت پر لا بٹھایا، اُس نے اسے بھی قید کرا دیا، اور بحالت قید ہی ۶۳۴ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا، جب زمامِ کار رضیہ سلطانہ کے ہاتھ میں آگئی، اور یہاں کی سیاسی فضا مکدر ہو گئی تو معلوم ہوتا ہے صغانی حج کی اجازت لے کر حجاز چلے گئے اور غالباً ۶۳۴ھ میں حج کیا اور کچھ عرصہ کیلئے وہیں ٹھہر گئے،
(باقی)

کلامِ علیؓ سے عربی شعراء و ادباء کا استفادہ

از

جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی، رضا لائبریری رام پور

امیر المومنین علی بن ابی طالب کی ذات گرامی جہاں مسلمانوں میں مذہبی لحاظ سے ایک مخصوص اہمیت رکھتی ہے، وہیں مختلف علوم و فنون مثلاً علم کلام، علم اسرار الشریعت، الٰہیات، خطابت و موعظت، معانی و بیان، نحو و عربیت وغیرہ میں بھی آپ کو اساسی درجہ حاصل ہے،

آپ کے آثار علمیہ میں آپ کے خطبے اور مکاتیب "نہج البلاغۃ" کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، جس کو چوتھی صدی ہجری کے مشہور ادیب اور مولف "الشریف الرضی محمد بن الحسین ابن موسی الموسوی" متوفی ۴۰۶ھ نے تالیف کیا تھا،

آپ کے کلام کی غیر معمولی اہمیت اور شہرت عام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ عرب کا ہر ادیب اور شاعر اس سے متاثر نظر آتا ہے، ابتداءً چونکہ نثر عربی نے ترقی نہیں کی تھی اسلیے لوگوں کی توجہ صرف آپ کے کلام کو مدون کرنے کی طرف رہی، چنانچہ اس سلسلے میں حارث اعور، اصبغ بن نباتہ، زید بن وہب جہنی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کے نام خاص طور سے ملتے ہیں، ان میں صرف حارث اعور کے پاس کلام علیؓ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ ایک مرتبہ جب امام حسنؓ نے ان کو لکھا کہ آپ نے امیر المومنین سے وہ احادیث سنی ہیں جو میں نہیں سن سکا تو حارث نے اس کے جواب میں ایک اونٹ بار کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا۔[1]

[1] ذیل المذیل طبری، مطبوعہ مصر، ص ۱۰۹

اس کی تائید ابن سعد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو اس نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ عامر کی زبانی نقل کی ہے، عامر کا بیان ہے کہ میں نے حسنؓ و حسینؓ کو دیکھا، یہ دونوں حارث اعور سے حدیث علی کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے،[1]

اسی طرح اصبغ بن نباتہ، زید بن وہب جہنی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی امیر المومنینؓ کے بکثرت خطبے اور خطوط مروی ہیں، جن کا تفصیلی ذکر میں نے اپنی کتاب "رجال نہج البلاغۃ" میں کیا ہے،

غرضکہ پہلی صدی کے نصف اول تک ہی کلام علیؓ کی شہرت اس حد تک ہو گئی تھی کہ عرب درس کے طور پر ان خطبوں کو پڑھا کرتے تھے، چنانچہ امام شعبی متوفی ۱۰۶ھ کا صعصعہ ابن صوحان کے بارے میں مشہور قول ہے "تعلمت منه الخطب" (میں صعصعہ سے خطبے سیکھا کرتا تھا)

اس کے بعد عربی نثر نے جب ترقی شروع کی اور عربوں میں نثر نگاری کا ملکہ پیدا ہو چلا تو یہ تاثرات اخذ و استفادہ کی صورت میں نظر آتے ہیں، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ کے مکتوب بھی جو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے نام ہے[2] اور عربی نثر کا ایک بہترین نمونہ ہے، جگہ جگہ امیر المومنینؓ کے خطبوں کے الفاظ بلکہ جملوں کے جملے نظر آتے ہیں، مثلاً

۱- فاحذر ها الحذر، فانها مثل الحية لين مسها وسمها يقتل

۲- فانها قد آذنت بزوال لايدوم نعيمها ولا يؤمن فجائعها

۳- فانظر اليها نظر الزاهد المفارق۔

مذکورہ بالا تینوں جملے امیر المومنین کے ہیں، جو نہج البلاغۃ میں مختلف خطبات اور حکم کے تحت

[1] طبقات ابن سعد ۶/ ۱۱۶ [2] حسن بصری کا یہ خط مکمل صورت میں حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اپنی مشہور کتاب "حلیۃ الاولیاء" (۲/ ۱۳۵) میں نقل کیا ہے جو تقریباً ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے،

خفیف لفظی فرق کے ساتھ موجود ہیں۔

اس کے بعد جہاں تک نظر جاتی ہے ہر ادیب اور شاعر کے یہاں یہ تاثرات ملتے ہیں،

ان میں ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے[1]، اسکا مشہور قول ہے:

حفظت من الخطابة كنزاً	میں نے خطابت کا ایسا خزانہ محفوظ کیا ہے
لا يزيده الانفاق الاسعة	جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوسکتا،
وكثرة حفظت مائة فصل من	میں نے مواعظ علی بن ابی طالب کی
مواعظ علی بن ابی طالب[2]	سو فصلیں یاد کی ہیں،

اس پر امیر المومنین کے کلام کا اتنا گہرا اثر تھا کہ اپنے خطبوں میں بھی اس نے وہی پرواز پیدا کرنا چاہا، چنانچہ اکثر مقامات پر وہ بے تکلف امیر المومنین کے خطبوں کے جملوں کے جملے اپنا لیتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ تو تمام تر اس نے آپ ہی کے خطبوں سے حاصل کیا ہے،

ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی شرح میں متعدد مقامات پر ابن نباتہ کے ان سرقات کا

---

[1] ابن نباتہ کا شمار اپنے وقت کے ائمۂ ادب میں ہوتا ہے، اس کا پورا نام "الخطیب ابو یحییٰ عبد الرحیم بن محمد بن اسمٰعیل بن نباتہ الفارقی" ہے، علامہ ابن خلکان اس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

كان اماما فی علوم الادب ورزق	وہ علوم ادب کا امام تھا، اور اپنے ان
السعادة فی خطبه التی وقع الاجماع	خطبوں میں جنکے بارے میں علمائے ادب کا یہ اجماع ہے
علی انه ما عمل مثلها وفیها دلالة	کہ ایسے خطبے کسی نے نہیں کہے، اسکو سعادت حاصل تھی،
علی غزارة علمه وجودة قریحته الخ	یہ خطبے اسکے علم کی گہرائی اور طبیعت کی جودت کی دلیل ہیں

اس کے خطبوں کا دیوان ۱۳۱۱ھ میں بیروت کے مطبعہ جریدہ سے شائع ہوچکا ہے، رضا لائبریری رام پور میں اس کی ایک جلد موجود ہے۔ [2] شرح ابن ابی الحدید ۱/۸

انکشاف کیا ہے، ذیل میں چند مثالیں درج کرتا ہوں،

۱۔ نہج البلاغۃ کا ایک مشہور خطبہ ہے جس کی ابتدا اس طرح ہے:۔

احمده شكراً لانعامه واستعينه	میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اسکی نعمتوں کے واسطے
علی وظائف حقوقه	اور اس سے مدد و اعانت کا طالب ہوں،
(نہج البلاغہ مط بیروت ۱/۲۰۴)	اسکے ان حقوق کی ادائگی میں جو مقرر کیے گئے ہیں

اس خطبے کے متعلق ابن ابی الحدید اپنی شرح (۲/۱۱۸) میں لکھتا ہے:

واعلم ان هذه الخطبة من	جاننا چاہیے کہ امیر المومنین علیہ السلام
اعيان خطبه ومن ناصع	کا یہ خطبہ آپ کے مشہور اور نادر خطبات میں ہے،
كلامه ونادره وفيها من	اس میں صنعت بدیع کا نہایت اچھا استعمال
صناعة البديع الرائقة	کیا گیا ہے جو تکلف اور آورد سے بالکل بری
المستحسنة البرية من التكلف	ہے، ابن نباتہ خطیب نے اس خطبے کے
مالا يخفی وقد اخذ ابن نباتة	بکثرت الفاظ لیے ہیں اور ان کو اپنے خطبوں
الخطيب كثيرا من الفاظها	میں وارد کیا ہے، مثلاً شدید کلبها،
فاودعها خطبه مثل قوله	عال لجبها، ساطع لهبها، متغيظ

زفيرها، متأجج سعيرها، بعيد خمودها

ذاك وقودها، مخوف وعيدها،

عم قرارها، مظلمة اقطارها،

حامية قدورها، فظيعة امورها،

فان هذه الالفاظ كلها اختطفها

واغار علیها واغتصبها وسمط بها

خطبه وشذربها کلامه وشل قوله

پس ان تمام الفاظ پر اس نے دن دہاڑے ڈاکہ مارا ہے اور ان کو غصب کیا ہے اور اپنے کلام اور خطبوں کو ان سے سجایا ہے، ان کے علاوہ حسب ذیل الفاظ بھی اس نے اس خطبے سے لیے ہیں، هول المطلع وروعات الفزع واختلاف الاضلاع واستکاک الاسماع وظلمة اللحد وخیفة الوعد وغم الضریح وردم الصفیح

۲- نہج کا ایک دوسرا خطبہ ہے جس کی ابتدا اس طرح ہے:

اما بعد، فانی احذرکم الدنیا	بعد ازاں، پس میں تم کو دنیا سے ڈراتا ہوں
فانها حلوة خضرة حفت	کیونکہ وہ دیکھنے میں بھلی معلوم
بالشهوات (نہج ۱/۱۲۸)	ہوتی ہے،

اس خطبے کے حسب ذیل اقتباسات ابن نباتہ نے قدرے تغیر کے ساتھ اپنے ایک خطبے میں وارد کیے ہیں:

امیر المومنین	ابن نباته
حملوا الی قبورهم فلا یدعون	وحیداً علی کثرة الجیران، بعیداً
رکباناً وانزلوا فلا یدعون	علی قرب المکان .... اسیر
ضیفاناً وجعل لهم من الصفیح	وحشة الانفراد فقیراً الی
اجنان ومن التراب اکفان	الیسیر من الزاد، جار من
ومن الرفات جیران فهم	لا یجیر وضیف من لا یمیر،
جیرة لا یجیبون داعیا	حملوا ولا یدعون رکباناً وانزلوا

امیر المومنین	ابن نباته
ولا یمنعون ضیما ولا یبالون	ولا یدعون ضیفاناً واجتمعوا
مندبة ان جیدوا لم یفرحوا	ولا یسمون جیراناً واحتشدوا
وان قحطوا لم یقنطوا جمیع	ولا یعدون اعواناً[1]
وهم احاد وجیرة وهم ابعاد	
متدانون لا یتزاورون	
وقریبون لا یتقاربون	

۳- اما بعد، فان الدنیا	اما بعد، بیشک دنیا نے پیٹھ پھیر لی اور
قد ادبرت وآذنت بوداع	رخصت کی اطلاع دے دی اور
وان الآخرة قد اقبلت	بیشک آخرت سامنے آچکی اور سر
واشرفت باطلاع (نہج ۱/)	اٹھا کر دیکھنے لگی،

یہ پورا اقتباس ابن نباتہ کے ایک خطبے میں اس طرح موجود ہے:

ایها الناس، ان الدنیا قد ادبرت وآذنت بانقلاب
وان الآخرة قد اقبلت واذعنت باقتراب[2]

عرب کے دوسرے خطباء

ابن نباتہ کے علاوہ دوسرے ادبا اور خطبا کے یہاں بھی بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے شعوری اور غیر شعوری طور پر امیر المومنین کے کلام سے استفادہ کیا ہے اور اپنے کلام میں بلندی پیدا کرنے کی غرض سے آپ کے الفاظ اور جملوں کو اپنایا ہے، بلکہ بیشتر آپ کے پورے پورے خطبے لوگوں نے مجمع عام میں پڑھے ہیں، ذیل میں چند مثالیں درج کرتا ہوں:

۱- انما الدنیا دار مجاز والآخرة	بیشک دنیا گزرگاہ ہے اور آخرت قرارگاہ

---

[1] شرح نہج البلاغة ابن ابی الحدید ۱/۳۹۷ [2] دیوان خطب ابن نباتہ ص ۱۰۸

دار قرار فخذوا من ممرکم	پس اپنی گذرگاہ سے اپنی قرارگاہ کے لیے
لمقرکم الخ (نہج ۱/ ۲۳۰)	توشہ حاصل کرو،

یہ پورا خطبہ ایک اعرابی نے اپنے نام سے پڑھا ہے، چنانچہ ابو اسمٰعیل قالی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی امالی (۱/ ۲۵۸) میں اس کو اس طرح روایت کیا ہے:

وحدثنا ابوبکر رحمہ اللہ	ہم سے ابوبکر رحمہ اللہ نے عبد الرحمٰن
قال اخبرنا عبد الرحمٰن عن	کی زبانی انھوں نے اپنے چچا سے سن کر
عمہ قال ولّی جعفر بن سلیمان	بیان کیا کہ ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان نے
اعرابیا بعض میاھھم فخطبھم	کسی میلے میں ایک اعرابی کو والی بنایا،
یوم الجمعۃ فحمد اللہ واثنیٰ	اس نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا،
علیہ ثم قال اما بعد،	پس اللہ کی حمد و ثنا کے بعد اس طرح بیان کیا.
فان الدنیا دار بلاغ	بیشک دنیا دار التکلیف ہے اور
والآخرۃ دار قرار فخذوا	آخرت قرارگاہ، پس تم اپنی قرارگاہ
لمقرکم من ممرکم ولا تھتکوا	کے لیے اپنی گذرگاہ سے توشہ حاصل کرو
استارکم عند من لا یخفی علیہ	اور اپنے پردوں کو اس پر چاک نہ کرو
اسرارکم واخرجوا من	جو تمھارے بھیدوں سے واقف ہے
الدنیا قلوبکم	اور اپنے دلوں کو دنیا سے نکال لو،
۲- ایھا الناس، انما انتم	اے لوگو! بے شک تم اس دنیا
فی ھذہ الدنیا غرض تنتضل	میں نشانہ ہو جس پر موت تیر لگاتی
فیہ المنایا (نہج ۱/ ۲۳۰)	ہے،

یہ خطبہ ابو اسمٰعیل قالی نے اپنی امالی (۲/ ۱۰۲) میں اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے نام سے روایت کیا ہے:

وحدثنا ابوبکر بن الانباری	ہم سے ابوبکر بن الانباری نے، انھوں نے
قال حدثنی ابی قال حدثنا	اپنے باپ سے، انھوں نے احمد بن عبید سے
احمد بن عبید قال حدثنا	زنادی کی زبانی روایت کیا ہے، زنادی
الزنادی قال یقال ان عمر	کا بیان ہے، کہا جاتا ہے کہ عمر بن
بن عبد العزیز رحمہ اللہ	عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک
تکلم بھذا الکلام فی خطبۃ	خطبے میں اس کلام کے ساتھ بیان کیا تھا،
"انما الناس فی الدنیا اغراض الخ"	بیشک لوگ دنیا میں نشانہ ہیں.
۳- الا وان الیوم المضمار	آگاہ ہو جاؤ، آج دبلا ہونا ہے اور
وغدا السباق، والسبقۃ الجنۃ	کل گھوڑ دوڑ ہے اور منزل جنت
والغایۃ النار (نہج ۱/ ۴۶)	اور انتہا دوزخ ہے،

مذکورہ بالا کلام نہج کے ایک مشہور خطبے کا ٹکڑا ہے، ابن عجلان کا بیان ہے کہ عون ابن عبد اللہ بن عتبہ[1] اکثر یہ کلام پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے،

حدثنا ابراھیم بن عبد اللہ، ثنا محمد بن اسحٰق، ثنا قتیبۃ بن سعید ثنا اللیث بن سعد، عن ابن عجلان عن عون انہ کان یقول "الیوم مضمار وغدا السباق، والسبقۃ الجنۃ، والغایۃ النار، فبالعفو

---

[1] طبقۂ اولیٰ کے تابعین میں ہیں، حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں ان کا تذکرہ کیا ہے،

تفجون وبالرحمة تدخلون وبالاعمال تقتسمون المنازل[1]

بعض مثالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب آپ کے کلام کو غیر شعوری طور پر استعمال کرتے تھے، جس سے اس کی مقبولیت اور شہرت عام کا پورا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا، جس میں اس نے لوگوں کو طلب آخرت پر ابھارا، حضرت حسن بصری نے جب اس کی زبان سے خلاف توقع ایسا کلام سنا تو کہنے لگے

هذه ضالة المؤمن خرجت من	یہ مومن کی گم شدہ چیز ہے جو منافق
قلب المنافق[2]	کے دل سے نکلی ہے،

اسی طرح ایک واقعہ ابن عبد ربہ الاندلسی نے عقد الفرید (۳۳/۲) میں لکھا ہے:

العتبی، قال قال عبد الله بن	عتبی کا بیان ہے، عبد اللہ بن اہتم نے کہا
الاهتم، مات لی ابن و انا	میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا، اس وقت
بمکة فجزعت علیه جزعا شدیدا	میں مکہ میں تھا، اس کے غم نے مجھے بہت
فدخل علی ابن جریج لتعزیتی	بے چین کیا، ابن جریج میرے پاس تعزیت
فقال لی یا ابا محمد: سل صبرا	کے لیے آئے اور کہا، اے ابو محمد! صبر کر، قبل
واحتسابا قبل ان تسلو غفلة	اس کے کہ غیر محسوس طور پر صبر کرنا پڑے جس
ونسیانا کما تسلوا البهائم	طرح جانور صبر کرکے بیٹھ جاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا قول امیر المومنینؑ کا ہے جو آپ نے اشعث بن قیس کی تعزیت کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے جو نہج البلاغہ میں اس طرح درج ہے:

[1] حلیۃ الاولیاء ۱/۷۷، [2] شرح ابن ابی الحدید ۲/۳۸۸

ان صبرت صبر الاکارم والا	یا شریفوں کی طرح صبر کرو، ورنہ جانوروں کی طرح
سلوت کما تسلوا البهائم	خاموش ہونا پڑے گا۔

شعرا | ذیل میں چند ایسی مثالیں نقل کیجاتی ہیں جن میں شعرا نے امیر المومنین کے اقوال و حکم سے فائدہ اٹھایا ہے اور ان کو مختلف طریقوں سے نظم کیا ہے:

۱۔ قیمة کل امرئ ما یحسنه[1]	ہر آدمی کی قیمت اس کا عمل خیر ہے،

امیر المومنین کا یہ قول اتنا مشہور ہے کہ کثرت کے ساتھ مختلف شعرا نے مختلف طریقوں سے اس کو نظم کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ علامہ ابو الحسن بن طباطبا العلوی متوفی قبل ۳۸۴ھ[2] نے نظم کیا ہے:

حسود مریض القلب یخفی انینه	ویضحی کئیبا لبال عندی حزینه
یلوم علی ان رحت فی العلم راغبا	واجمع من عند الرواة فنونه
فاعرف ابکار الکلام وعونها	واحفظ مما استفید عیونه
ویزعم ان العلم لا یجلب الغنی	ویحسن بالجهل الذمیم ظنونه
فیا لائمی دعنی اغالی بقیمتی	فقیمة کل الناس ما یحسنونه[3]

(ترجمہ) حاسد آدمی کا دل مریض ہے جو اپنی کراہ کو چھپاتا ہے اور میرے پاس آکر اس کا حزن والم ظاہر ہو جاتا ہے، وہ مجھے اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ علم کے درپے رہتا ہوں اور اہل علم کے دروازوں پر جا کر ان سے فنون علم جمع کرتا ہوں، پس میں نئے اور تازہ کلام اور برے کلام کو پہچانتا ہوں اور عیون کلام جن سے میں فائدہ اٹھاتا ہوں ان کو یاد کر لیتا ہوں (حاسد) یہ خیال کرتا ہے کہ علم استغنا اور بے نیازی پیدا نہیں کرتا اور مذموم جہالت کے ساتھ

[1] نہج ۲/۴۴۸ [2] معجم الشعرا ص ۴۹۳ [3] المحاسن والمساوی للبیہقی (۲/۱۲)

وہ اپنے ظنون فاسدہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، پس اے ملامت کرنے والے مجھے چھوڑ دے تاکہ میں اپنی قیمت بڑھاؤں، کیونکہ لوگوں کی قیمت ان کا وہ عمل نیک ہے جس کو وہ بجالاتے ہیں،

ایک محدث شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے:

قال علی بن ابی طالب — وھو اللبیب الفطن

کل امرءٍ قیمته عندنا — وعند اھل العلم ما یحسن[1]

(ترجمہ) علی بن ابی طالب کا قول ہے، جو صاحب عقل اور جید الذہن ہیں، ہر آدمی کی قیمت ہمارے نزدیک اور تمام اہل علم کے نزدیک اس کا نیک عمل ہے۔

خلیل نے اس طرح کہا ہے

لا یکون العلی مثل الدنی — لا ولا ذوالذکاء مثل الغبی

قیمة المرء قدر ما یحسن المرء — قضاء من الامام علی[2]

محمد بن ابراہیم بن عتاب شاعر دربار عبد اللہ بن المعتز العباسی متوفی ۲۹۶ھ نے یہی مضمون اس طرح کہا ہے،

لا تله عن مصطفی تغتبن — واشترنی فانی عبد مثمن

کل امرء قیمته ما یحسن[3]

ترجمہ مجھ سے بے نیازی اختیار نہ کر، ورنہ نقصان میں رہے گا، مجھ کو خرید لے کیونکہ میں ایک قیمتی غلام ہوں ہر انسان کی قیمت اس کا نیک عمل ہے،

۳- کفی بالادب شرفا انه یدعیه — ادب کا یہی شرف کافی ہے کہ وہ شخص بھی

---

[1] المحاسن والمساوی بیہقی ۲/۴، [2] ادب الدنیا والدین ماوردی ص ۱۹،

[3] معجم الشعراء المرزبانی ص ۴۶۲

من لا یحسنه ویفرح اذا نسب الیه — اس کا مدعی ہے جو اس کا لحاظ نہیں کرتا اور اپنی طرف اس کی نسبت سے خوش

وکفی بالجھل خمولا انه یتبرأ منه — ہوتا ہے، اور جہالت کے لئے یہی گمنامی

وینفیه عن نفسه من ھو فیه ویغضب اذا نسب الیه، — ذلت کافی ہے کہ وہ شخص بھی اس سے بیزاری رکھتا ہے، اور اپنی ذات سے اس کی نفی کرتا ہے، جو خود جہالت میں مبتلا ہے اور اپنی طرف اس کی نسبت سے غضبناک ہوتا ہے

(المحاسن والمساوی ۲/۴،)

ایک مولد شاعر نے اس مضمون کو اس طرح اپنایا ہے،

وکفی خمولا بالجھالة انني — اراع متی انسب الیھا واغضب[1]

(جہالت کے لئے یہی گمنامی کافی ہے کہ جب مجھ کو اس سے نسبت دی جاتی ہے تو غضبناک ہو جاتا ہوں)

۴- احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما و — اپنے دوست سے بے حد مناسب دوستی کرو، ممکن ہے کسی دن وہ دشمن ہو جائے،

ابغض بغیضک ھونا ما عسی ان یکون حبیبک یوما ما،[2] — اسی طرح دشمن سے بھی بے حد مناسب دشمنی رکھو ممکن ہے کسی روز وہ دوست ہو جائے،

(نہج ۲/۱۰۸)

اس مضمون کو پہلی صدی کے مشہور شاعر ہدبہ بن الخشرم العذری متوفی بعہد معاویہ نے تین شعروں میں اس طرح نظم کیا ہے،

---

[1] المحاسن والمساوی ۲/۴، [2] دراصل یہ حدیث نبوی کا ایک ٹکڑا ہے، ادم،

وکن معقلاً للحلم و صفح عن الخنا — فانک راءٍ ما حییت و سامع

واحبب اذا احببت حبا مقاربا — فانک لا تدری متی انت نازع

وابغض اذا ابغضت بغضا مقاربا — فانک لا تدری متی انت راجع[1]

(ترجمہ) حلم کی پناہ بن، اور بیہودگی سے درگذر کر کیونکہ جب تک تو زندہ ہے، دیکھے گا بھی اور سنے گا بھی اور جب تو کسی کو دوست رکھے تو اعتدال کی حدود میں، کیونکہ تو نہیں سمجھ سکتا کہ کس وقت اس سے نزاع پیش آجائے، اسی طرح جب کسی سے دشمنی کرے، جب بھی اعتدال کو ملحوظ رکھ، نہ معلوم کب وہ دوست بن جائے،

نیز ایک صحابی شاعر نمر بن تولب نے یہ مضمون اپنے ایک مشہور قصیدہ میں اس طرح نظم کیا ہے،

احبب حبیبک حبا رویدا — فقد لا یعولک ان تصرما

وابغض بغیضک ہونا رویدا — اذا انت حاولت ان تحکما[2]

اس مقام پر یہ شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ نمر بن تولب اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ دونوں کا زمانہ ایک رہا ہے، اس لئے اس مضمون کی ایجاد میں تقدم کس کو حاصل ہے ؟

۵ - ما انقض النوم لعزائم الیوم[3] — نیند کس قدر دن کے ارادوں کو توڑ دینے والی ہے

ایک شاعر نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے،

فتی لا ینام علی عزمہ — ومن صمم العزم لم یرقد[4]

مرد جب عزم کر لیتا ہے، تو وہ سویا نہیں کرتا، اور جس نے بھی پختہ ارادہ کر لیا وہ کیونکر سو سکتا ہے؟

۶ - وان اہل الدنیا کرکب بینا — دنیا والے ان سواریوں کی مانند ہیں جو

---

[1] امالی قالی ۲/۲۰۶ [2] الادب والانشاء لابی حیان التوحیدی ص ۱۲۸ [3] نہج ۲/۱۲۸، ۱/۲۵۷

[4] شرح ابن ابی الحدید ۲/۲۶،

ہم حلوا اذ صاح بہم — منزل پر پہونچیں اور فوراً ہی انھیں کوچ

سائقہم فارتحلوا، — کا حکم دینے والا پکارے، اور وہ

(نہج ۲/۱۲۵) — کوچ کر جائیں،

اس مضمون کو تیسری صدی کے مشہور شاعر ابو العتاہیہ متوفی ۲۱۱ھ نے اس طرح نظم کیا ہے،

انّ دارا نحن فیہا لدار — لیس فیہا لمقیم قرار

کم وکم قد حلّہا من اناس — ذہب اللیل بہم والنہار

فہم الرکب اصابوا مناخا — فاستراحوا ساعۃ ثم ساروا

وکذا الدنیا علی ما رأینا

یذہب الناس وتخلو الدیار[1]

(ترجمہ) بیشک ہم جس گھر میں ہیں، وہ ایسا گھر ہے کہ جس میں ٹھہرنے والے کو قرار نہیں، نہ معلوم کتنے انسان اس گھر میں آئے، اور اپنے دن رات گذار کر چلے گئے، ان کی مثال ایسی سواریوں کی ہے جنھوں نے کوئی اترنے کی جگہ پائی پس کچھ دیر آرام کیا، اور پھر چل پڑے، اسی طرح یہ دنیا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس میں آ کر چلے جاتے ہیں، اور شہر کے شہر خالی ہو جاتے ہیں،

۷ - الا ان الدنیا........ — آگاہ ہو جاؤ، دنیا........

فانہا عند ذوی العقول کفیٔ — بیشک عقلمندوں کے نزدیک شاخص

الظل بینا تراہ سابغا حتی — کے سایے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی

قلص وزائدا حتی نقص، — جسے ابھی تو پھیلا ہوا دیکھتا ہے کہ سکڑ

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۲/۴۶۷

(نہج ۱/۹۶) جاتا ہے اور ابھی بڑھتا ہوا دکھتا ہے کہ
ذرا دیر میں گھٹ جاتا ہے،

ایک شاعر نے اس مضمون کو اس طرح کہا ہے :-

الا انما الدنیا کظل غمامۃ ⁂ اظلت یسیرا ثم خفت فولت[1]

آگاہ ہو جاؤ دنیا بادل کے سایہ کی طرح ہے، جو تھوڑا سا بڑھا پھر کم ہوا پھر لوٹ گیا،

۸- الناس اعداء ما جھلوا[2] لوگ اس چیز کے دشمن ہیں جس سے وہ ناواقف ہیں،

ایک شاعر نے یہ مضمون یوں نظم کیا ہے،

جھلت امرا فابدیت النکیر لہ ⁂ والجاھلون لاھل العلم اعداء[3]

(ترجمہ) جس بات سے میں ناواقف رہا اس کو منکر اور برا سمجھا، یہ سچ ہے کہ جاہل لوگ اہل علم کے دشمن ہی ہوتے ہیں،

۹- قلیل تدوم علیہ ارجی من کثیر مملول، (نہج ۲/۱۱۰) کم مگر مسلسل عمل اس عمل کثیر سے زیادہ سود مند ہے جسے تو گرانی کے ساتھ بجا لائے

یہ مضمون ایک شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے،

انی کثرت علیہ فی زیارتہ ⁂ فمل والشئ مملول اذا کثرا
ورابنی منہ انی لا ازال اری ⁂ فی طرفہ قصرا عنی اذا نظرا[4]

میں نے زیادتی کے ساتھ اس سے ملنا شروع کر دیا، نتیجہ میں تکدر پیدا ہو گیا، بیشک جب کسی چیز کی زیادتی ہوتی ہے تو اس سے دل بھر جاتا ہے مجھ کو اس امر نے تعجب میں ڈال

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۵۵، [2] نہج ۲/۹۶ و ۲/۱۲۰ [3] شرح ابن ابی الحدید ۲/۴۷۱ [4] ایضاً ۲/۴۷۱،

دیا کہ اب جب بھی وہ میری طرف دیکھتا ہے تو اس کی نگاہوں میں وہ توجہ اور اعتنا نہیں پاتا۔

۱۰- مالابن آدم والفخر اولہ نطفۃ واٰخرہ جیفۃ، (نہج ۲/۱۲۹)

(آدم کا بیٹا کس بات پر فخر کر سکتا ہے جس کا اول نطفہ ہے اور آخر مردہ)

یہی مضمون ایک شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے،

ما بال من اولہ نطفۃ ⁂ وجیفۃ آخرہ یفخر[1]

۱۲- المقل غریب فی بلدتہ (نہج ۲/۷۶)

یہ مضمون دوسری صدی کے مشہور شاعر خلف الاحمر متوفی ۱۸۰ھ نے اس طرح نظم کیا ہے،

لا تظنن ان الغریب ھو النائی ⁂ ولکنما الغریب المقل[2]

یہ خیال نہ کرو کہ مسافر وہی ہے جو اپنے اہل و عیال سے دور ہو بلکہ مسافر وہ ہے جس کے دوست کم ہوں،

۱۲- اعجز الناس من عجز عن اکتساب الاخوان، (نہج ۲/۷۷)

(لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دوستوں کے حاصل کرنے سے عاجز ہو)

یہ مضمون دوسری صدی کے مشہور ادیب اور شاعر ابن الاعرابی متوفی ۲۳۰ھ نے اس طرح نظم کیا ہے،

لعمرک ما مال الفتی بذخیرۃ ⁂ ولکن اخوان الصفا الذخائر[3]

تیری زندگی کی قسم مرد کے لئے اس کا مال ذخیرہ نہیں ہے، لیکن خالص دوست ذخیرہ ہیں

۱۳- الحزم سوء الظن (نہج ۲/۸۰) احتیاط بدگمانی ہے،

[1] شرح ابن ابی الحدید ۲/۲۸۰ [2] ایضاً ۲/۳۷۱ [3] ایضاً ۲/۳۷۴،

کسی شاعر نے بعینہٖ اس مضمون کو ایک شعر میں نظم کیا ہے،

اسأت اذا احسنت ظنی بکم — والحزم سوء الظن بالناس[1]

(ترجمہ) میرا حسنِ ظن تمہارے ساتھ غلطی ہے، کیونکہ احتیاط یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ بدگمان رہا جائے،

۱۴- مثل الدنیا کمثل الحیۃ لین مسّھا والسم الناقع فی جوفھا (نہج ۸۹/۲)

دنیا کی مثال اس سانپ کی ہے جس کی جلد نہایت نرم لیکن اس کے پیٹ میں زہر قاتل بھرا ہوا ہے،

یہ مضمون ابوالعتاہیہ (متوفی ۲۱۳ھ) نے اس طرح نظم کیا ہے،

انما الدھر ارقم لین المس — وفی نابہ السقام العقام[2]

۱۵- زھدک فی راغب فیک نقصان حظ ورغبتک فی زاھد فیک ذل نفس، (نہج البلاغہ ۱۲۹/۲)

جو شخص تیری طرف راغب ہے، اس سے بچنا بے عقلی ہے، اور جو تجھ سے کھنچ رہا ہو اس کی طرف جھکنا نفس کی ذلت ہے،

عباس بن احنف (متوفی ۱۹۲ھ) نے اس مضمون کو اپنی ایک نسیب میں نظم کیا ہے،

مازلت ازھد فی مودۃ راغب — حتی ابتلیت برغبۃ فی زاھد

ھذا ھو الداء الذی ضاقت بہ — حیل الطبیب وطال یأس العائد[3]

(ترجمہ) میں ہمیشہ اس شخص سے کھنچا تھا جو میری طرف جھکتا تھا، یہاں تک کہ جو مجھ سے کھنچتا تھا اس کی طرف میں راغب ہونے کی مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا، یہ وہ مرض ہے

۱؎ شرح ابن ابی الحدید ۳۹۶/۲ ۲؎ ایضاً ۲۱۰/۲ ۳؎ ایضاً ۴۴/۲،

کہ جس کے علاج سے طبیبوں کی ترکیبیں تنگ ہیں، اور عیادت کرنے والے کی ناامیدی طویل ہے،

۱۶- الحلم والاناۃ توامان ینتجھما علو الھمۃ، (نہج ۱۲۹/۲)

حلم اور بردباری دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جو ہمت کی بلندی سے پیدا ہوتے ہیں،

مشہور شاعر ابن ہانی (متوفی ۳۶۲ھ) نے قدرے شرح کے ساتھ اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے

وکل اناۃ فی المواطن سودد — ولا کاناۃ من قدیر محکم

ومن یتبین ان للسیف موضعا — من الصفح یصفح عن کثیر و یحلم

۱۷- لا تحمل ھم سنتک علی ھم یومک فان تکن السنۃ من عمرک فان اللہ تعالیٰ سیؤتیک فی کل غد جدید، (نہج ۱۲۳/۲)

اپنے (آنے والے) سال کا غم اپنے دن پر مت لاؤ، کیونکہ اگر یہ سال تیری عمر میں قرار دیا گیا ہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر نئے کل کا رزق تجھ کو پہنچائے گا،

یہ مضمون نابغہ (متوفی ۱۹۴ھ) نے یوں نظم کیا ہے،

ولست بخائف ابدا طعاما — حذار غد لکل غد طعام[1]

میں کل کے خوف سے کسی طرح بھی کسی کھانے سے محروم ہونے والا نہیں اس لئے کہ ہر دن کے لئے کھانا مقدر ہے،

۱۸- ان للہ عبادا یختصھم اللہ بالنعم لمنافع العباد فیقرھا فی ایدیھم ما بذلوھا فاذا منعوھا

بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنھیں بندگانِ خدا کی نفع رسانی کے لئے نعمتوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے پس جب تک

۱؎ کامل مبرد (۹۲/۱)

نزعها منهم ثم حولها الی غیرهم،

(نہج ۲/۱۲۶)

وہ بذل وعطا سے کام لیتے ہیں ان نعمتوں کو ان کے پاس قائم رکھتا ہے اور جب بخل اختیار کرتے ہیں، تو ان نعمتوں کو چھین کر

ایک شاعر نے یہ مضمون اس طرح نظم کیا ہے،

لو یعطک الله ما اعطاک من نعم الا لتوسیع من یرجوک احسانا

فان منعت فاخلق ان تصاد فها تطیر عنک زرا فات ووحدانا[1]

(ترجمہ) اللہ نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں وہ صرف اسی غرض سے کہ جو شخص تجھ سے بھلائی کی امید کر رہا ہے اس پر تو کشادگی کرے، پس اگر تو ان کو روک رکھے گا، تو وہ ایک ایک اور دو دو ہو کر تیرے پاس سے اڑ جائیں گی،

۲۰۔ اشعث بن قیس سے جو کلمات تعزیت امیر المومنینؑ نے فرمائے ہیں وہ نہج البلاغہ (۲/۱۱۱) میں موجود ہیں، ابو تمام حبیب بن اوس (متوفی ۲۳۰ھ) نے ان کو حسب ذیل دو شعروں میں نظم کیا ہے،

وقال علیٌّ فی التعازی لاشعث وخاف علیه بعض تلک الماٰثم

اتصبر للبلوی عزاء وخشیة فتوجرا و تسلو سلو البهائم[2]

(ترجمہ) نیز علیؓ بن ابی طالب نے اشعث سے بطور تعزیت اس موقع پر فرمایا جب کہ آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ اس غم میں اس سے کچھ گناہوں کا صدور نہ ہو جائے

مصیبت پر اگر اللہ کے خوف کے تحت صبر کروگے تو اس کا اجر پاؤگے ورنہ نتیجہ میں اس طرح خاموش ہونا پڑے گا جس طرح جانور خاموش ہو جاتے ہیں،

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۲/۲۶۹

[2] ادب الدنیا والدین للماوردی ص ۲۲۵

مدارجِ سلوک

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف اپریل ۱۹۵۹ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ

اذا توضأ المومن وغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينه مع الماء، و اذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء، و اذا غسل رجليه خرج كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء حتى يخرج نقياً من الذنوب

(رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

جب بندہ مومن وضو کرتا ہے اور اپنا منہ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، اور جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ وہ سارے گناہ دور ہو جاتے ہیں جنھیں اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے، تو وہ سارے گناہ پانی کے ساتھ دور ہو جاتے ہیں جن کے ارتکاب میں وہ چلا تھا، یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے،

ہر عضو کے دھوتے وقت کلمۂ شہادت پڑھا کرے، یا جیسا کہ خواجہ عبید اللہ احرار (وفات ۸۹۵ھ) اپنے رسالہ انفاس نفیسہ[۵۱] میں ہدایت فرماتے ہیں، القادر تین مرتبہ پڑھیں اور وضو کے ختم پر کہیں اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله[۵۲] اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی من الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون[۵۳] اس کے بعد کھڑا ہو کر وضو کے پانی سے تھوڑا سا پی لے، اور کہے،

اللهم داوِنی بدوائك واشفنی بشفائك واعصمنی من الوهن و الامراض والاوجاع[۵۴]

"اے اللہ اپنی دوا سے میرا مداوا کر، اپنی شفا سے مجھے اچھا کر اور کمزوری اور بیماریوں اور دردوں سے مجھے محفوظ رکھ"

اس کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے، اس نماز میں نفی خواطر کرے اور ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

ما من مسلم یحسن الوضوء ثم	(رواہ مسلم)	جب بندہ مسلم اچھی طرح وضو کر لیتا ہے پھر
یقوم فیصلی رکعتین مقبلاً علیهما		اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھتا ہے بحضور تمام
بقلبه ووجهه الا وجبت الجنة،		تو اس کی جزا جنت ہوتی ہے،

۵۱ انفاس نفیسہ از خواجہ عبید اللہ الاحرار مشمولہ رسائل ستہ ضروریہ ص ۳ ۔ حضرت خواجہ نقشبندیہ سلسلہ کے رکن رکین ہیں، قطب وقت اور نویں صدی کے مجدد تھے، نسبت نقشبندیہ مولانا یعقوب چرخی سے حاصل کی تھی، اور دوسرے مشائخ نقشبندیہ سے بھی فیض پایا تھا ۸۰۶ھ شب دوشنبہ ۲۹ ربیع الاول کو انتقال فرمایا۔ ۵۲ حدیث میں آیا ہے کہ اس اقرار شہادتین سے فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها شاء بہشت کے آٹھ دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو، (رواہ مسلم) ۵۳ انفاس نفیسہ ص ۳ ۵۴ الرسالۃ الانسیہ ص ۲۰،

خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ فرماتے تھے کہ اس نماز میں ہمیں ارکان نماز اور احکام نماز میں مشغول رہنا چاہئے، اور یہ مبتدی کی نسبت سے کہا گیا ہے، نماز تحیۃ الوضو میں بہت ثواب ہے، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے لیکن شیخ محی الدین عربیؒ نے کہا ہے کہ اوقات مکروہ میں نہ پڑھی جائے، اور یہی بات علمائے سلسلۂ نقشبندیہ کی تحقیق کے موافق ہے، اور نماز کے بعد تین مرتبہ گناہوں سے توبہ کی نیت سے یہ استغفار پڑھے، اور دعا کرے،

استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه،

جب سونے کا ارادہ کرے تو جائے خواب میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے اور آیۃ الکرسی اور آمن الرسول پڑھے اور ہاتھوں پر پھونک کر اپنے اعضائے جسم پر مل لے، آنحضرت صلعم نے ایسا ہی کیا ہے، اور تین بار کہے، استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه حدیث ابی سعیدؓ میں آیا ہے کہ جو شخص سوتے وقت اس طرح استغفار کرتا ہے اس کے سارے گناہ معاف کئے جاتے ہیں (رواہ الترمذی) اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو جائے، اور جب نیند کا غلبہ ہو تو سو جائے، منہ قبلہ کی طرف ہو اور سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی گال کے نیچے رکھ لے اور تین بار یہ دعا پڑھے[۵۵]،

اللهم اسلمت نفسی الیک و	اے اللہ میں نے اپنی جان تیری سپرد کی، اپنا منہ تیری طرف کیا
وجهت وجهی الیک وفوضت	اپنا کام تیرے تفویض کیا، اور میں نے تجھ
امری الیک والجأت ظهری	پر بھروسہ کیا، تیرے ثواب کی خواہش اور
الیک رغبة ورهبة الیک	تیرے عذاب کے ڈر سے تیرے عذاب سے کوئی

۵۵ اس دعا سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا اچھا ہے، باسمك اللهم وضعت جنبی وبك ارفعه، اللهم ان امسكت نفسی فاغفر لها وارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحین، (صحاح ستہ)

لا ملجاء ولا منجاء منک الا الیک	پناہ اور نجات نہیں، سوائے تیرے، میں
آمنت بکتابک الذی انزلت و	ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے اتاری، اور
بنبیک الذی ارسلت (متفق علیہ)[1]	تیرے نبی پر جس کو تو نے بھیجا،
اللھم ایقظنی فی احب الساعات	اے اللہ جو گھڑی تیرے لئے محبوب ترین
الیک واستعملنی باحب الاعمال	ہے، مجھے اس گھڑی بیدار کر، اور جو اعمال
الیک التی تقربنی الیک زلفا	بہتر ہیں، اُن کے لئے مجھے استعمال فرما تاکہ
وتبعدنی من سخطک بعدا	میں تیرا قرب حاصل کروں، اور تیری ناراضی
	سے دور رہوں،
اللھم لا تؤمنی مکرک ولا	اے اللہ! مجھے اپنے مکر سے مامون
تولنی غیرک ولا تنسنی ذکرک	نہ کر، اور نہ غیر کے حوالہ کر، اور نہ اپنا ذکر بھلا دے
ولا تجعلنی من الغافلین[2]	اور نہ مجھے غافلین سے کر،

مولانا یعقوب چرخیؒ اس تفصیل کے بعد سالک کو نماز تہجد کی تاکید فرماتے ہیں[3]، اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ خواجہ بزرگ بہاء الدین نقشبندؒ نے اُن سے فرمایا تھا کہ "پیش از صبح بسبق باطن مشغول باشی" اس سے آپ کا اشارہ تہجد کی طرف تھا، ابتدائے حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سے پہلے بیدار ہو جاتے

---

۱ حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کے بعد، اگر کوئی رات میں مرجائے تو دین اسلام پر مرے گا، اور اگر صبح تک زندہ رہے تو بھلائی حاصل ہوگی، (ان مت فی لیلک مت علی الفطرۃ ای علی الدین الحق وان اصبحت اصبحت خیراً) اخرجہ البخاری وغیرہ من الائمہ ۲ الرسالۃ الانسیہ ص ۲۱، ص ۲۲ ۳ ایضاً ص ۲۹، ص ۲۲،

اور نماز ادا فرماتے، ابتدا میں نماز تہجد آپ پر فرض تھی بعض کا خیال ہے کہ آخر عمر میں یہ نماز آپ پر فرض نہ رہی تھی، بطور نفل آپ اُسی پر مداومت فرماتے رہے، اور بعض کے نزدیک یہ نماز آپ پر آخر عمر میں بھی فرض تھی، قرآن کریم میں شب خیزوں کی بڑی تعریف آئی ہے،

ان المتقین فی جنات وعیون	البتہ متقی باغوں میں ہیں اور چشموں میں
آخذین ما اتٰھم ربھم انھم	لیتے ہیں جو دیا اُن کو اُن کے رب نے، وہ تھے
کانوا قبل ذلک محسنین، کانوا	اس سے پہلے نیکی والے، وہ تھے رات کو تھوڑا
قلیلا من الیل ما یھجعون و	سوتے، اور صبح کے وقتوں میں معافی
بالاسحار ھم یستغفرون،	مانگتے،

(الذاریات رکوع ۱)

اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ سحر کے وقت یہ کلمات زیادہ کہنے چاہئیں،

اللھم اغفر لنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم،

قرآن کریم میں ایک جگہ شب خیزوں کی تعریف میں کہا گیا ہے،

تتجافی جنوبھم عن المضاجع	جدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے سونے
یدعون ربھم خوفا وطمعا	کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو
ومما رزقنھم ینفقون فلا	ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا
تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ	کچھ خرچ کرتے ہیں، سو کسی جی کو معلوم
اعین جزاء بما کانوا یعملون،	نہیں جو چھپا دھری ہے، اُن کے واسطے
	آنکھوں کی ٹھنڈک، بدلا اس کا جو
(السجدہ رکوع ۲)	کرتے تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے:

علیکم بقیام اللیل فانه دأب الصّالحین قبلکم وهو قربة لکم الی ربکم ومکفرة للسّیأت ومنهاة عن الاثم، (رواه الترمذی)

تمھیں شب بیدار ہونا چاہیئے کہ یہ صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ (یعنی انبیاء و رسل اور اولیاء شب بیدار رہے ہیں) اور یہ حق کی قربت و رحمت کی موجب ہے، کفارۂ گناہاں کا سبب ہے، اور گناہوں سے بچانے کا بھی سبب ہے،

دوسری حدیث میں آیا ہے:

اقرب مایکون الرّبّ من العبد فی جوف اللّیل الآخر، فان استطعت ان تکون ممّن یذکر اللہ فی تلک الساعة فکن (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب اسناداً)[1]

بندہ اپنے رب کی رحمت سے سب سے زیادہ قریب اس آدھی رات کے وقت ہوتا ہے جو صبح کے قریب ہوتی ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جا جو اس وقت خدا کا ذکر کرتے ہیں،

شب خیزوں کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں ہیں، حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے ایک رباعی میں اصل بات کو کیا خوب ادا کیا ہے،

شب خیز کہ عاشقاں بشب راز کنند
گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بشب در بندند
الا در دوست را کہ بشب باز کنند!

اس کے بعد مولانا جرخیؒ نے شب خیزوں کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں،[2] حدیث میں آیا ہے کہ

---

[1] الرسالۃ الانسیہ ص ۳۰ تا ۳۱ [2] ایضاً ص ۳۱ و ص ۳۲،

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب شب میں بیدار ہوتے، تو پہلے مسواک کرتے اور وضو کرتے اور یہ آیتیں تلاوت فرماتے:

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۝ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ (سورۂ آل عمران رکوع ۲۰)

اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ لک الحمد انت قیّم السّمٰوٰت والارض ومن فیهن، ولک الحمد انت نور السّمٰوٰت والارض ومن فیهنّ، ولک الحمد انت ملک السّمٰوٰت والارض ومن فیهنّ ولک الحمد، انت الحق، ووعدک الحق ولقاؤک الحق وقولک الحق والجنّة حق والنّار حق والنبیّون حق ومحمد حق والساعة حق، اللّٰهم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک

اے اللہ تیرے ہی لئے سب تعریف ہے تو ہی قائم رکھنے والا ہے آسمان اور زمین کا اور اُن کے درمیان جو چیزیں ہیں، اور تجھ ہی کو سب تعریف ہے، تو ہی آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے، اور ان کا جو اُن کے درمیان ہیں، اور تیرے ہی لئے سب تعریف ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کا، اور اُن کے درمیان کی چیزوں کا روشن کرنے والا ہے، اور تجھ ہی کو سب تعریف ہے، تو ہی حق (ثابت و موجود) ہے، اور تیرا وعدہ سچا ہے، تیرا دیدار

توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر، لا الہ الا انت ولا الہ غیرک،

(متفق علیہ)

حق ہے، اور تیرا کلام سچا ہے، اور جنت حق ہے، اور دوزخ حق ہے، اور سب پیغمبر حق ہیں، اور محمد صلعم حق ہیں، اور قیامت حق ہے! اے اللہ میں تیرا فرماں بردار ہوا، اور تجھ پر ایمان لایا، اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیرے ہی طرف میں نے رجوع کیا، اور تیری ہی مدد سے میں نے جھگڑا کیا، (یعنی اعدائے دین سے) اور تیری ہی طرف اپنی فریاد لایا تو میرے وہ گناہ معاف کردے، جو میں نے پہلے کئے، اور پیچھے کئے اور جو پوشیدہ کئے، اور جو برملا کئے، وہ گناہ جس کو تو میری نسبت زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے بڑھانے والا ہے، اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے، کوئی معبود برحق نہیں سوا تیرے!

وضو سے فارغ ہوکر ان آیات اور دعاؤں کے پڑھنے کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ادا کرے، اس کے بعد خواجہ عبید اللہ احرار[1] تاکید فرماتے ہیں کہ اپنے اوقات گزشتہ کا محاسبہ کرے، اگر یہ غفلت و معصیت میں نہ گزرے ہوں تو حق تعالیٰ کا شکر بجالائے اور ان میں جو کچھ غفلت اور عصیاں میں گزرے ہوں ان پر حسرت اور عذر تقصیر پیش کرے، اور اس کلمۂ "بازگشت" کو تین بار زاری و تضرع و خشوع تمام کے ساتھ کہے:

[1] رسالہ انفاس نفیسہ ص ۳، ۴، ۵

"خداوندا بحضرت تو بازگشتم از ہر بدی و تقصیرے کہ بر من گزشتہ است دانستہ و نادانستہ
اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ"

اور ایک مرتبہ ان ابیات کو درد و رقت کے ساتھ پڑھے،

چوں بدرگاہ تو خود را در پناہ آوردہ ام — یا الہ العالمین بار گناہ آوردہ ام
بر درت زیں بار خود پشت دوتا آوردہ ام — عجز و زاری بر در عالم پناہ آوردہ ام
من نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو — ہستم آں گمراہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
چا چیز آوردہ ام حقا کہ در گنج تو نیست — نیستی و حاجت و عذر و گناہ آوردہ ام
دل و درویشی و دلریشی و بے خویشی بہم — ایں ہمہ بر دعوئی عشقت گواہ آوردہ ام
چشم رحمت برکشا، موے سفید من ببیں — زانکہ از شرمندگی روے سیاہ آوردہ ام

اس کے بعد بہ نیاز تمام سو مرتبہ یہ استغفار پڑھے،

استغفر اللہ ربی من کل ذنب اذنبتہ عمدًا او خطاءً، سرًا وعلانیۃً، واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم وانت علام الغیوب!

اس کے بعد نماز تہجد شروع کرے، دو رکعت کی نیت سے بارہ رکعت ادا کرے، پہلی دو رکعتوں میں سے رکعت اول میں بعد فاتحہ آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسول پڑھے، دوسری آٹھ رکعتوں میں سورۂ یٰسین پڑھے، ہر رکعت میں دس دس آیتیں، اس طرح:

پہلی رکعت بعد فاتحہ: یٰسین .... فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم،
دوسری رکعت " : انا نحن نحی الموتی .... وھم مھتدون،
تیسری رکعت " : ومالی لا اعبد الذی ...... ان کل لما جمیع لدینا محضرون،

چوتھی رکعت بعد فاتحہ: وآیۃ لھم الارض المیتۃ ...... کل فی فلک یسبحون،

پانچویں رکعت " : وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم ..... ولا الیٰ اھلھم یرجعون،

چھٹی رکعت " : ونفخ فی الصور .... ھذا صراط مستقیم

ساتویں رکعت " : ولقد اضل منکم جبلاً کثیراً ..... افلا یشکرون،

آٹھویں رکعت " : واتخذوا من دون اللہ اٰلھۃ تاختم : والیہ ترجعون،

آخری دو رکعتوں میں سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھیں، یہ خواجہ یوسف ابو ایوب ہمدانی (م ۵۳۵ھ) کی روش رہی ہے، جو پیر سلسلۂ خواجگان نقشبندیہ ہیں، بعضوں نے ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ یٰسین بھی پڑھی، اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھیں کہ کل درحقیقت تیرہ رکعت ہو جائیں، اس لئے کہ بیٹھ کر دو رکعت پڑھنا بمنزلہ ایک رکعت پڑھنے کے ہوتا ہے، ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ ادائے نماز طاق واقع ہو، کیونکہ حق تعالیٰ فرد ہیں، اور فرد کو محبوب رکھتے ہیں،

حضرت خواجہ عزیزاں علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۵ھ وفات) جو سلسلۂ نقشبندیہ میں قطب وقت گذرے ہیں، فرمایا کرتے تھے، کہ جب تین دل جمع ہو جاتے ہیں، تو بندہ مومن کا کام بن جاتا ہے، دل شب دل قرآن، و دل بندۂ مومن[1] یعنی یٰسین،

اگر وقت تنگ ہو تو آٹھ یا چار یا دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں[2]، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھ سکیں تو دوپہر سے پہلے اس کی قضا کر لیں[3]، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ختم نماز پر اس دعا کی تاکید فرماتے ہیں،

اللّٰھم ارزقنا حبک وحب من	اے اللہ ہمیں اپنی محبت نصیب کر اور اُن کی
یحبک وحب ما یقربنا الیک،	محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، اور ان

[1] رسالہ انسیہ ص ۳۲، [2] رسالہ انفاس نفیسہ ص ۲، [3] ایضاً ص ۵،

اللّٰھم انصرنا وانصر من نصر الدین	اعمال کی محبت بھی جو ہمیں تیرا قرب عطا
وانصر من نصر اھل الدین، اللّٰھم	کرتے ہیں، اے اللہ ہماری مدد کر، اور
اخذل من خذل الدین و	اُن کی جو دین کی مدد کرتے ہیں، اور اُن کی
اخذل من خذل اھل الدین،	جو اہلِ دین کی مدد کرتے ہیں، اے اللہ اُن
اللّٰھم احفظنا من العلۃ فی	کی مدد نہ کر جو دین کی مدد نہیں کرتے اور نہ تو
الغربۃ ومن المذلۃ عند الشیب	اہلِ دین کی مدد کرتے ہیں، اے اللہ ہمیں
ومن الشقاوۃ عند الخاتمۃ و	مسافرت میں بیماری سے محفوظ رکھ، اور
من الفضیحۃ یوم القیامۃ،	بڑھاپے میں ذلت سے، اور خاتمہ کے وقت
اللّٰھم زین ظواھرنا بخدمتک	شقاوت سے اور قیامت کے دن فضیحت
وبواطننا بمحبتک وقلوبنا	یا رسوائی سے، اے اللہ زینت بخش ہمارے
بمعرفتک وارواحنا بمشاھدتک	ظاہر کو اپنی خدمت سے، ہمارے باطن کو
واسرارنا بمعاینۃ جناب قدسک،	اپنی محبت سے، ہمارے دلوں کو اپنی معرفت
اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ	سے، ہماری روحوں کو اپنے مشاہدے سے،
وارنا الباطل باطلاً وارزقنا	ہمارے اسرار کو اپنے معائنہ سے، اے اللہ
اجتنابہ ولا تکلنا الیٰ انفسنا	ہمیں حق کا مشاہدہ نصیب کر، اور اسکی
ولا الیٰ احد من خلقک طرفۃ	اتباع، اور باطل کو دکھلا، اور اس سے
عین ولا اقل من ذٰلک وکن	اجتناب عطا کر، اور ہمیں اپنے نفس یا کسی
لنا ولیاً وناصراً وحافظاً وعوناً	مخلوق کے حوالہ چشم زدن کے لئے
ومعیناً وعلیٰ کل خیر دلیلاً و	نہ کر، نہ اس سے کم کے لئے ہی، اور

ملقنا ومؤیدًا، اللّٰھُمَّ ربّنا اٰتِنا
مِمّن حضرنا ومِمّن غاب عنّا و
لکل مومن و مومنة فی الدّارین
حسنة یا واسع المغفرة، اللّٰھُمّ
ارنا الاشیاء کما ھی، اللّٰھُمَّ
سَھِّل علینا بجودک وَیسّر
علینا بکرمک یا اکرم
الاکرمین یا ارحم الراحمین، اللّٰھُمّ
تب علینا حتّٰی نتوبُ الیکَ وَ
اعصمنا حتی لا نعود وحبّب لینا
الطاعات وکرّہ الینا الخطیئات
بفضلک وکرمک یا ارحم الراحمین
وصلّی اللّٰہ علی خیر خلقہٖ محمّد وّ
اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین!

ہمارا والی و مددگار و محافظ و
معین ہو جا، اور ہر خیر کی طرف
ہماری رہنمائی فرما، سکھلا، اور مدد فرما،
اے اللہ ہم میں سے جو حاضر ہیں اور جو غائب
ہیں، اور ہر مومن و مومنہ کو دارین میں بھلائی
نصیب فرما! اے اللہ ہمیں اشیا، کی حقیقت
کا مشاہدہ نصیب کر! اے اللہ، تو اپنے
جود و کرم سے ہمارے معاملات کو آسان و
سہل کر دے، اے سب سے زیادہ کرم اور
رحم کرنے والے، اے اللہ ہماری توبہ قبول
فرما، اور ہمیں گناہوں کی طرف رجوع کرنے
سے محفوظ رکھ اپنی اطاعت کو ہمارے لئے
محبوب اور گناہوں کو ہمارے لئے مبغوض
کر دے اپنے فضل و کرم سے، اے سب
سے زیادہ رحم کرنے والے خدا وصلّی
اللّٰہ علی خیر خلقہٖ محمد واٰلہٖ و
اصحابہٖ اجمعین،

حضرت خواجہ ہدایت فرماتے ہیں کہ ان تیرہ رکعتوں کا ثواب تمام اولیا، اپنے ماں باپ اور جمیع امت رسول کو بخشدے، تاکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ایک رکعت کے عوض دس رکعتوں کا ثواب

عطا فرمائیں،

گر یک بدہی تو دہ دہندت گر شام دہی سحر دہندت
ہر دہ بدہ بیاد مولا تا بر در دوست دہ دہندت

بلکہ ایک کے عوض سات سو عطا کریں، اور اگر چاہیں بے حساب دیں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ
سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ
حَبَّةٍ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ
وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ،
(البقرہ - رکوع ۳۶)

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال،
اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ؛
اس سے اُگیں سات بالیں، ہر بال میں ہو
سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے، جس کے واسطے
چاہے، اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے
سب کچھ جانتا ہے،

اور اس ثواب کو بھی رضائے حق کے لئے ان ہی لوگوں کی ارواح کو بخش دے، اور حق تعالیٰ سے عنایت و رحمت طلب کرے، بلکہ اُن سے اُن کے سوا کچھ نہ مانگے،

از زندگیم بندگی تست ہوس بر زندہ دلاں بے تو حرام ست نفس
خواہندہ ز تو مقصود دل خود ہمہ کس جامی ز تو ہمیں ترا خواہد و بس

یہی مفہوم اس دعا کا کہ: اسئلک ان لا اسئلک سواک، یعنی میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ تیرے سوا تجھ سے کچھ نہ چاہوں،
نمازِ تہجد ادا کرنے کے بعد سالک کو چاہئیے کہ جو ذکر پیر نے اس کو تلقین کیا ہے اس میں مشغول ہو جائے[1]،

خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ اگر تہجد کسی وجہ سے ترک ہو جائے تو چاہئیے کہ دوسرے دن آدھے دن

[1] انفاسِ نفیسہ ص ۷،

سے پہلے اس کو پڑھ لے، اس کا ثواب اتنا ہی پائے گا گویا کہ اس کے وقت پر ادا کیا گیا ہے، اور اگر سفر پہ ہو اور سحر کو اٹھنے کا یقین نہ ہو تو یہ نماز اول شب پڑھ کر ہی سورہے۔[1]

جب صبح صادق ہو تو سنتِ فجر گھر ہی میں پڑھے، رکعت اول میں فاتحہ اور سورہ کافرون اور رکعت دوم میں فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھے۔ اس کے بعد ستر مرتبہ پڑھے: اَستغفر اللّٰہ العظیم الّذی لا الٰہ الّا ھو الحیّ القیوم واتوب الیہ۔[2] اور روشنی دل کے لئے یہ دعا اکتالیس بار پڑھے: یا رحمٰنُ یا رحیمُ یا حیّ یا قیوم یا بدیع السمٰوٰت والارض یا ذا الجلال والاکرام یا لا الٰہ الا انت اسئلک ان تحیی قلبی بنور معرفتک ابدًا یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ۔[3]

فرض کے ادا کرنے کے لئے مسجد کو جائے، اور راستہ میں کہے، استغفر اللّٰہ من جمیع ماکرہ اللّٰہ قولًا وفعلًا وخاطرًا وناظرًا اور جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے اپنا سیدھا پیر رکھے، اور کہے السلامُ علیٰ اھل البیت، اللّٰھُمّ افتح لی ابواب رحمتک۔[4]

فریضۂ فجر ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہے، اور سبق باطن میں مشغول رہے، یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے، اب دو رکعت نماز اشراق کی نیت سے ادا کرے اور ہر رکعت میں پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔[5]

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

من صلّی الصبح فی جماعۃ ثم ثبت
فیہ حتّی یُسبّح فیہ سُبحۃ الضّحیٰ ثم
یصلّی کان لہٗ کاجر حاجٍ او مُعتمرٍ

جو کوئی نماز صبح جماعت کے ساتھ پڑھے،
پھر اسی جگہ بیٹھا رہے، یہاں تک کہ اس
جگہ نماز ضحیٰ کی پڑھے، تو ہوگا اس کے لئے

---

[1] انفاس نفیسہ ص ۶، [2] رسالہ انیسیہ ص ۳۲ [3] انفاس نفیسہ، [4] رسالہ انیسیہ ص ۳۲، رواہ مسلم ابو داؤد نسائی، اور ایک روایت میں یہ دعا آئی ہے، اللّٰھُمّ افتح لنا ابواب رحمتک وسھّل لنا ابواب رزقک (ابن ماجہ) [5] انفاس نفیسہ ص ۶،

تامّۃً لہٗ حجتہٗ وعمرتہ،
(عن ابی امامہ یرفعہ)

مانند اجر اس شخص کے کہ حج ادا کرے یا
عمرہ بجالائے کہ اس کا حج اور عمرہ تمام و
کامل ہو،

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ

من قعد فی مصلاہٗ حین
ینصرف من صلوٰۃ الصبح
حتی یسبح رکعتی الضحیٰ لا یقول
الا خیرًا غُفر لہٗ خطایاہٗ و
ان کانت مثل زبد البحرٖ
(فی مسند الامام احمد
عن معاذ بن انس یرفعہ)

جو کوئی بیٹھے اپنی نماز کی جگہ پر جب وقت کہ پھرے
نماز صبح سے یہاں تک کہ دو رکعت ضحیٰ کی
پڑھے، اور بات نہ کرے، مگر جو نیک ہو
(اور اس پر ثواب مترتب ہو یعنی ذکر حق
میں مشغول رہے،) بخشے جائیں گے اس
کے گناہ اگرچہ کفِ دریا کے برابر ہوں،

اس کے بعد اور دو رکعت استخارہ کی نیت سے پڑھے، اور حق تعالیٰ سے اس دن خیر کی توفیق طلب کرے، حق تعالیٰ اس کے دل اور آنکھوں کو خیر کی جانب کھول دیں گے،[1] رسول اللہ صلعم نے حکایۃً عن اللہ عز وجل فرمایا ہے۔

ابن آدم لا تعجزنی من اربع رکعاتٍ
اوّل النھار اکفک آخرہٗ،
(عن نعیم بن ہمام، عند الترمذی)

اے اولاد آدم نہ عاجز ہو چار رکعت سے
دن چڑھتے، بچاؤں گا، تجھے ہر بلا سے آخر
دن تک،

مولانا یعقوب چرخیؒ وصیت فرماتے ہیں کہ اشراق کی دو رکعت ادا کرنے کے بعد دس مرتبہ:

---

[1] انفاس نفیسہ ص ۶

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ضرور پڑھیں، اس ذکر کی تلقین آپ کو حضرت سیف الدین باخرزیؒ نے فرمائی تھی، جب آپ نے حضرت باخرزیؒ کے مزار پر توجہ کی تھی۔[۱]

جب مسجد سے باہر آئے تو کہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ اور اس دعا کو گھر پہونچنے تک پڑھتا رہے، اس کے بعد اگر قرآن پڑھ سکتا ہے، تو مصحف کو سامنے رکھ کر جس قدر چاہے پڑھے، اس کے بعد اگر طالب علم ہے، تو اپنے درس میں مشغول ہوجائے اور اگر سالک ہے تو ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب آفتاب بلند ہوجائے اور زمین گرم ہوجائے نماز چاشت ادا کرے، یہ نماز بارہ رکعت ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

مَنْ صَلَّی الضُّحٰی ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً	جس نے ضحیٰ کے بارہ رکعت پڑھے بنائیگا
بَنَی اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا فِی الْجَنَّۃِ مِنْ	اللہ اس کے لئے جنت میں سونے کا مکان
ذَهَبٍ	

(الترمذی وابن ماجہ عن انس رضؓ)

اس نماز کی رکعتیں آٹھ، چار اور دو بھی آئی ہیں[۲] چنانچہ خواجہ احرار فرماتے ہیں کہ نماز چاشت کے چار رکعت ادا کئے جائیں اور رکعت اوّل میں بعد فاتحہ والشمس وضحٰها، رکعت ثانی میں واللیل اذا یغشیٰ اور تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں الم نشرح پڑھیں اور ختم نماز پر سجدہ کریں اور سات مرتبہ الوهاب پڑھیں غیر اللہ کی محبت دل سے نکل جاتی ہے، اور دل صاف ہوجاتا ہے۔[۳]

جب بھی وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کرلے، تحیت الوضو ادا کرے، اور دعا کرے، یہ سب آداب طریقت سے ہیں، اور دوام وضو فراخی رزق کا بھی سبب ہے،

---

[۱] رسالہ انسیہ ص ۴۳، [۲] ایضاً ص ۴۳، [۳] رسالہ انفاس نفیسہ ص،،

جب نماز ظہر کا وقت آئے تو اس کو جماعت سے ادا کرے، اور تین مرتبہ کلمہ بازگشت[۱] اور ستر مرتبہ استغفر اللہ من کل ذنب (آخر[۲] تک) پڑھ لیں تاکہ اس حدیث نبوی صلعم کے مضمون پر عمل ہوجائے کہ

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ	میرے دل پر غفلت چھا جاتی ہے اور
اللّٰهَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً،	میں ایک دن میں ستر بار استغفار کرتا
(رواہ البخاری)	ہوں،

سعی و جہد بلیغ کرے کہ عشا کی نماز کے وقت تک بیہودہ گفتگو نہ کرے، اور اس کے اجر کی بموجب اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ، حق تعالیٰ سے امید رکھے، یہ تمام اعمال بمنزلہ پرہیز ہیں، تاکہ مادہ مستعد مسہل ہوجائے، اور اس وقت مسہل سے کہ اس تمام مواد کو جو نفس و طبیعت کی راہ سے داخل ہوا ہے خارج کردے اور نجات پائے۔[۳]

---

[۱] دیکھئے ص ۴۴ [۲] دیکھئے ص ۴۵ [۳] انفاس نفیسہ ص،

جدید ایرانی شاعری میں وطنیت

از

جناب ڈاکٹر عبدالمجید صاحب فاروقی صدر شعبۂ اردو فارسی واسلامک کلچر گجرات کالج احمد آباد

(۲)

میرزا محمد فرخی یزدی ایران کے ان گنے چنے سپوتوں میں سے ہے جو حقیقی معنوں میں آزادی اور حریت کے علمبردار کہے جاسکتے ہیں، جدید ایرانی شاعری میں فرخی کی شخصیت بڑی محترم مانی جاتی ہے شمع آزادی کے اس پروانے نے دولت وثروت اور جاہ ومنصب کو ٹھکرا کر اور وطن کے لئے قید وبند کی صعوبتوں کو ہنسی خوشی برداشت کیا اور بارہا اپنے بے باک قلم کی وجہ سے حکومت وقت کے مشق ستم کا نشانہ بنا،

فرخی کی تمام و کمال نگارشات آزادی اور وطنیت کے شدید جذبات کی ترجمان ہیں، فرخی نے عید نوروز کے موقع پر ایک نظم آزادی خواہوں کے ایک مجمع میں پڑھ کر سنائی جس کی پاداش میں یزد کے حاکم ضیغم الدولہ قشقائی نے فرخی کے ہونٹوں کو سلوا دیا، نظم کے بعض بند ملاحظہ فرمائیے:

مسمط وطنی

عید جم شد ای فریدون خو بت ایران پرست
مستبدی خوی ضحاکی ست ایں خونہ زدست
حالیا کز سلم و تور[۱] انگلیس وروس ہمست
ایرج[۲] ایران سراپا دستگیر و پای بست

[۱] و [۲] فریدوں کے لڑکے۔

به که از زاد و تمدن ترک بی مهری کنی
در رہ مشروطہ اقدام منوچہری کنی

این همه ایران که منزل گاه کیکاؤس بود
خوابگاه داریوش و مامن سیروس بود
جای زال و رستم و گودرز و گیو و طوس بود
نی چنین پامال جور انگلیس و روس بود

این همه از بی حسی با بود کافسرده ایم
مردگان زنده بلکه زندگان مرده ایم

اس بند میں براہ راست حاکم سے مخاطب ہے:

خود تو میدانی نیم از شاعران چاپلوس
کز برای سیم بنمایم کسی را پای بوس
یاد سانم چرخ ریشی[۱] را بچرخ آبنوس
می نمی گویم توئی در گاه هیجا همچو طوس
لیک گویم گر بقانون مجری قانون شوی
بهمن و کیخسرو و جمشید و افریدون شوی[۲]

ہونٹ سئے جانے کے بعد فرخی نے ایک مسمط تہران کے آزادی خواہوں کے نام بھیجا، اس کے بعض بند ملاحظہ ہوں،

اے دموکرات بت باشرف نوع پرست

[۱] ایک چرخا جس کی آواز تیز اور باریک ہوتی ہے، [۲] سخنوران ایران ص ۳۱۴،

کہ طرفداری بارنجبران خوئے تو ہست
اندریں دورہ کہ قانون شکنی لماخست
گر زہم مسلک خویشت خبری نیست بدست

شرح ایں قصہ شنو از دولب دوختہ ام
تا بسوز دولت از بہر دلِ سوختہ ام

نصیغم الدولہ چو قانون شکنی پیشہ نمود
از ہماں پیشہ خورِ یشہ خود تیشہ نمود
خونِ یک ملت غارت زدہ در شیشہ نمود
نے زوجدان خجل وسنے زحق اندیشہ نمود

بگمانش کہ در امروز مجازاتی نیست
یا بفرداش برایں کردہ مکافاتی نیست

تاخت در نیز وچناں خنگ ستبدادی را
کز میاں بردو بیک بارگی آزادی را
کرد پامالِ ستم، قریہ و آبادی را
خواست تا جلوہ دہد مسلکِ اجدادی را

زانکہ می گفت: من از سلسلۂ چنگیزم
بے سبب نیست کہ چنگیز صفت خونریزم[1]

پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں فرخی نے بغداد و کربلا کی طرف ہجرت کی، اور چونکہ انگریزوں

[1] سخنوران ایران: ص ۳۱۵،

کی قہر آلود نگاہیں اس کا پیچھا کر رہی تھیں، اس لیئے کربلا سے موصل تک کا سفر پیدل طے کیا، اس غربت کے زمانہ میں ایک مستزاد کہی ہے جس میں غیر ملکیوں کے استبداد اور ان کی ریشہ دوانیوں سے اہلِ وطن کو آگاہ کیا ہے:

اے وطن پرورِ ایرانی با مسلک و ہوش	ہاں کمن جوش و خروش
پندہائے من با تجربہ بتمامے بگوش	گر تو ئی پند نیوش
اجنبی[1] گر بمثل میدہدت ساغرِ نوش	نوش نیش است، منوش
وز پی خستن او در ہمہ اوقات بکوش	ناتواں داری و توش
کہ عدو دوست نگردد بخدا گر بنی است	اجنبی اجنبی است
من سرگشتہ چو پرکار جہاں گردیدم	رنجہا بکشیدم
پا برہنہ رہ دشت و درہ را ببریدم	دستِ غم بگزیدم
حالتِ ملتِ عثمانی و تزر من دیدم	خوب و بد بشنیدم
باز برگشتہ و از اجنبیاں نومیدم	حالیا فہمیدم
کہ اگر شیخ خورد گول[2] اجانب صبی است	اجنبی اجنبی است[3]

"آزادی" کے عنوان سے فرخی کی ایک نظم ہے جو پاکیزگی جذبات اور جوش و تاثر کے لحاظ سے بڑی کامیاب نظم کہی جا سکتی ہے،

آزادی

قسم بعزت و قدر و مقام آزادی	کہ روح بخش جہان است نامِ آزادی
بہ پیش اہلِ جہاں محترم بود آنکس	کہ داشت از دل و جاں احترام آزادی

[1] غیر ملکی [2] گول خوردن: دھوکا کھانا، [3] سخنوران ایران، ص ۳۱۷،

هزار بار بود به ز صبح استبداد   برای دستهٔ پابسته، شام آزادی
بروز کار قیامت بپا شود آن روز   کنند رنجبران چون قیام آزادی
اگر خدای بمن فرصتی دهد یک روز   کشم ز مرتجعین[1] انتقام آزادی[2]

فرخی نے بہت سی سیاسی رباعیاں بھی کہی ہیں، جو اپنے جوش، خلوص، حریت پرستی، اور وطن دوستی کی بنا پر عوام میں بیحد مقبول ہیں، ایک دو رباعیاں ملاحظہ فرمائیے،

آنانکہ ز خون دو دست رنگین کردند   آزادی حق خویش تأمین[3] کردند
دارند در انتظار طل حق حیات   آن قوم کہ انقلاب خونین کردند

در مرز عجم ذلت ایرانی ہیں   در ملک عرب محو مسلمانی ہیں
دایم سر سروران ایرانی را   پامال تجاوز بریتانی بین[4]

احمد خاں انگر اگرچہ ایرانی فوج میں ایک اعلیٰ افسر تھا لیکن شعر و شاعری میں اس کا درجہ مسلّم ہے، انگر خالص وطن پرست شاعر ہے، اور اس کی بیشتر نظمیں آزادی، حریت اور وطن دوستی کے جذبات کی ترجمان ہیں، اور ان ہی خصوصیات کی وجہ سے وہ عوام میں بہت مقبول ہے، ایک نظم "مہر وطن" کے بعض اشعار یہ ہیں،

تا مہر وطن در دلم انگیختہ دارم   خون دلم از دیدہ برخ ریختہ دارم
مو، حافظ سرحدت و قشون حافظ کشور   دل را بقشون وطن آویختہ دارم
در راه دفاع وطن پاک شب و روز   بر روی عدو تیغ برآہیختہ دارم

[1] رجعت پسند [2] سخنوران ایران ص ۲۱۰ [3] حفاظت [4] سخنوران ایران ص ۲۲۳

این آب و گلم[1] ارث ز اجداد رسیده است   خون دل خود با گلش آمیختہ دارم
تاریخچۂ تاریخ وطن کلک مورخ   آب رخ دشمن بزمین ریختہ دارم[2]

ایک نظم میں اہل وطن کو جہد و عمل کی تلقین کی ہے، اور وطن کی آزادی کے لئے شمشیر بکف ہونے کا مشورہ دیا ہے،

صاحب خانہ باش

یا بزرم خصم در راه وطن مردانہ باش   یا چو مرغ بستہ پر محبوس قید لانہ[3] باش
دل ببر از بلبل و گل، کن رہا زلف و نگار   بس کن این دیوانگی کار عاقل فرزانہ باش
خانہ ما چون وطن باشد بود حفظش فرود   روز و شب در فکر حفظ خانہ و کاشانہ باش
چند انگر بیم داری چون غریبان از سگان   تکیہ بر شمشیر کن در خانہ صاحب خانہ باش[4]

ایک نظم "وطن دوستانہ" میں وطنیت کے تصور کو بڑے مؤثر اور دلنشیں پیرایے میں پیش کیا ہے :

نیست گر دو جہان آنکہ نباشد وطنش   چون یہودی کہ خورد مشت جہان دہنش
جان بے تن نہ دہد سود، و تن بے جان نیز   جان بود ملت ایران و وطن چون بدنش
ہست ہجران وطن سخت بر غیرتمند   سہل بر دوش بود بار بلا و محنش
یوسف مصر وطن، روشنی چشم من است   من چہ یعقوبم و بوی وطنم پیراہنش
در رہ حب وطن مانع ور ادع چہ بود   ساغر حب وی ار زہر بود، دہ بمنش
آب ایران بود از زمزم و کوثر بہتر   خاک آن مشک فشان عطر فشان یاسمنش
دو جہان گر بتو دادند وطن را مفروش   کہ بود باعث ننگ دو جہانت ثمنش[5]

[1] سرزمین وطن [2] سخنوران نامی معاصر، برقعی، ص ۷، [3] گھونسلہ [4] ۲۲۲ ص ۱۶۱، [5] ثمن یعنی قیمت

دور از انصاف بود ہشت ار بپری | بعوض ذرہ اے از خاکِ وطن باختنش[1]

ایک نظم میں وطن فروشی کی پر زور مذمت کی ہے، یہ نظم خلوص، شدتِ جذبات اور تاثر کی بہترین مثال ہے، ملاحظہ فرمائیے،

وطن فروشی

بجائے شہد چو (چوں؟) سقراط زہر نوشیدن | درون دریا شیر از نہنگ دوشیدن
سر مغار در آغوشِ اژدہا خفتن | بجائے آب بدوزخ حمیم نوشیدن
دہانِ مارجرس[2] وار بوسہ ہا کردن | میان دیگ پُر از آب جوش جوشیدن
بروے خارِ مغیلان برہنہ غلطیدن | بہ شیر شرزہ[3] برائے مصاف کوشیدن
پیادہ تشنہ گرسنہ جہان نوردیدن | ز زخم نیزہ و خنجر لباس پوشیدن
بروے مخزن باروت مشتعل بودن | بسوگ ہرچہ عزیز است بزخم شیدن

درون چاہ پُر از مار و کژدم افتادن
ہزار مرتبہ از وطن فروشیدن[4]

ابوالقاسم لاہوتی بھی دورِ مشروطیت کی پیداوار ہے، آج کل سویٹ یونین میں مقیم ہے، انقلابی شاعر ہونے کی وجہ سے اس کی بیشتر نظمیں حب وطن، آزادی اور انقلاب کی ترجمان ہیں، ایران کے انقلابی گروہ سے منسلک رہنے کی وجہ سے لاہوتی کو بھی بارہا وطن سے فرار ہو کر غربت کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے،

لاہوتی نے جدید طرز میں ایک نظم کہی ہے، جس میں اپنے وطن کی زبوں حالی، بربادی اور ویرانی کا دلدوز نقشہ کھینچا ہے، اور ان تمام تباہ کاریوں کا ذمہ دار انگریزوں کی

---

[1] PPR ص ۶۳ [2] مارزنگی، ارجا جل Rattle-snake [3] شیر شرزہ یعنی شیر ژیان
[4] PPR ص ۷۷،

ریشہ دوانیوں کو ٹھہرایا ہے،

چمن سوختہ

ریشہ ہاے صنوبر و شمشاد
پر و بال زیادی از بلبل
برگ خشکی سہ چار تا از گل
رہ پائی ز چند تن صیاد

زیں علایم عیاں بود: کاینجا
چمنی بودہ شبہ نیست دریں!
سبزہا سوختہ، زمیں خونیں
چند تیر از شکاری برجا

رود سرخی میان آں جاری
سُرخ از رنگ خونِ اہلِ چمن!
ہر طرف جوقہ جوقہ زاغ و زغن
گاہ گاہی صداے از زاری

اے شگفت! ایں کدام باغ بُدہ
با ہواے چنیں خوش و دلکش؟
وایں چنیں باغ راکہ زد آتش؟
مردمش از چہ قتلِ عام شدہ؟

گرچہ ویرانہ ایست این گلزار
وانچہ ہم ماندہ، دود ازاں برپاست
لیک جائے ہم بود، پیداست
پُر ز تاریخ و قدمت آثار!

گلشن از سوختہ است و پژمردہ
بوئے خوبش ہنوز باقی ہست!
در بنایش خراب گشتہ دست ما
رونق از جلوہ، ز آسماں بردہ!

زیں علائم، بدون شبہ، تمیز
میتواں داد: کایں چنیں صیاد
نیست جز انگلیس بد بنیاد
وایں چمن نیست غیر مصر عزیز![1]

حبیب یغمائی نے ایک نظم بچوں کے لئے "وطن" کے عنوان سے کہی ہے، جو سادگی و سلاست کی وجہ سے ایران کے قومی ترانہ کی حیثیت رکھتی ہے، بعض اشعار سنیئے :-

وطن

کشور ایراں کہ زید جاوداں   ہست وطن بر ہمہ ایرانیاں
اہل وطن زادۂ ایں مادر اند   یاور و غمخوار یکدیگر اند
اے پسر با ادب ہوشیار   از دل و جان خاک وطن دوستدار

[1] سخنوران ایران: جلد دوم ص ۳۱۱،

حب وطن مہر و وفا آورد   حب وطن صدق و صفا آورد
حب وطن شیوۂ نیکاں بود   حب وطن دین بود و ایماں بود
محترم این ملک چو مادر بدار   ہموطن خویش برادر شمار
در رہِ حفظِ وطن خویشتن   دل بکن از جان و تن خویشتن
تا نبود نام بدت یادگار   یار باغیار مشو زینہار[1]

عبدالعظیم خاں قریب نے اس نہج پر بچوں کے لئے ایک قومی ترانہ لکھا ہے، اس کی مقبولیت کی بنا پر اس کے گراموفون ریکارڈ بھی تیار کئے گئے ہیں، جسے ہر جگہ بڑے شوق سے سنا جاتا ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

وطن

کشورِ ما کشورِ ایراں بود   مسکنِ شیراں و دلیراں بود
پادشہش کورش و دارا بود   چوں جم و خسرو شہِ والا بود
پادشہ عادل انوشیرواں   گشتہ پر آوازہ ز عدلش جہاں
رستم دستانِ جہاں پہلواں   پست از و گشتہ سرِ سروراں
بود حکیمش چو ابوذرجمہر   از دلِ روشن چو یکے ماہ و مہر
اے وطن اے حب تو آئینِ من   دوستیت کیشِ من و دینِ من
بے تو وجود من یک دم مباد   سایۂ تو از سر من کم مباد
دولت و اقبال تو پایندہ باد   نام بلندت بجہاں زندہ باد[2]

محمد رضا خاں عشقی نے ایک اوپیرا "رستاخیز" کے عنوان سے لکھا ہے، جس میں ایران

[1] سخنوران ایران: جلد اول ص ۶۵، [2] ایضاً ص ۳۲۳،

کی گذشتہ عظمت اور شان و شوکت کا نقشہ بڑی چابک دستی سے کھینچا ہے، یہ اوپیرا روایتی اسلوب سے ہٹ کر جدید طرز پر لکھا گیا ہے اس لئے اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا نظم کا پرخلوص لہجہ اور ماحول شاعر کی حب الوطنی پر شاہد ہے، خود عشقی نے اس اوپیرا کے بارے میں لکھا ہے" این اپیرائے رستاخیز نشانہ ہائے قطرات اشکے است کہ بروے کاغذ بعزائے فخر و بہائے نیاگان بدبخت ریختہ ام"[۱]

۱۳۳۲ھ میں بغداد سے موصل جاتے ہوئے عشقی مداین کے کھنڈرات سے بیحد متاثر ہوا اور اس تاریخی شہر کی عظمت اور موجودہ بربادی کو اس خوبصورت اوپیرا کی صورت میں پیش کیا ہے، اوپیرا کے کردار میں عشقی، خسرودخت، سیروس، داریوش، انوشیرواں، خسرو، شیریں، اور زرتشت وغیرہ شامل ہیں، یہ تمام افراد یکے بعد دیگرے اسٹیج پر آتے ہیں، اور ایران کی سابقہ عظمت اور موجودہ تباہی و بربادی پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، آخر میں زرتشت کی روح داخل ہوتی ہے، اور سلاطین و ناظرین سے مخاطب ہوکر انھیں بیداری کا پیغام سناتی ہے، افسوس ہے کہ اوپیرا کی طوالت اسے یہاں نقل کرنے سے مانع ہے،

کمالی اصفہانی بھی دور مشروطیت کی پیداوار ہے، اور اس کی بیشتر نظمیں حب الوطنی اور آزادی کے جذبات سے پر ہیں، "چکامۂ وطنی" کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

اے کشور عجم ز چنان گشتۂ خراب — کآبادی تو کس نتواں بیند ی بخواب
گویند اہل فکر کہ اصلاح حال تو — شاید و لیک نیست طریقی جز انقلاب
برخیز مرد وار میان بند اگر حیات — خواہی و پا گذار دلیرانہ در رکاب
آنرا کہ مہر و درد وطن نیست گو بمیر — زان کش بغز رائے خرد نیست و تاب[۲]

---

[۱] دیوان عشقی: ص ۴۶، [۲] سخنوران ایران جلد اول: ص ۴۴۳

نئی پود سے مخاطب ہوکر ایک نظم "ببرادر زادۂ من" لکھی ہے، اس میں اُن کے آباو اجداد نے وطن کی آزادی، ترقی اور خوشحالی کے لئے جو جو قربانیاں کی ہیں، ان کی یاد دہانی کی ہے، ایک بند ملاحظہ ہو،

اے آنکہ ز بعد ما نہی پا — در ملک وجود شاد و خندان
آباد چون بنگری و زیبا — سرتا سر این سرائے ویران
چون روے نہی بکوہ و صحرا — آزاد و تراز ہواے بستان
یاد آر ز روز محنت ما — وین حالت ہولناک ایران

کاگہ شود از پدر پسر ہم[۱]

مرتضیٰ خان فرہنگ بھی انقلاب ایران کے سرفروشوں کی جماعت سے متعلق رہا اور قید و بند کے مراحل سے گذر چکا ہے، پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب The Press and Poetry of Modern persia میں فرہنگ کی نگارشات کا ذکر کیا ہے، مرحوم خواجہ غلام الثقلین نے بھی اپنے سیاحت نامے میں انقلاب ایران کے سلسلے میں کئی جگہ فرہنگ کا ذکر کیا ہے، اور اس کے اشعار نقل کئے ہیں[۲] فرہنگ کی شاعری بھی وطن پرستی اور حریت پروری کے جذبات کی عکاس ہے "خاک ایران" کے عنوان سے ایک نظم ہے، جس میں وطن کی عظمت کا ذکر کیا ہے، اور ہم وطنوں کو عمل اور حرکت کا پیغام دیا ہے، بعض بند یہاں نقل کئے جاتے ہیں،:

(۱)

تابندہ چو خورشید و فروزان چو ستارہ
در صفحۂ پہنا ور این چرخ محدب
اے آئینۂ شرق پدید از تو ہمارہ[۳]

---

[۱] ص ۱۲۲ Post Revolution Persian verse [۲] سخنوران ایران ص ۲۱۱ [۳] ہموارہ،

فرزند بلند اختر و مردانِ مہذب

از خلد برین خوبتری اے چمنِ عشق

گہوارۂ علم و ہنری اے وطنِ عشق

(۲)

اے کعبۂ دل، قبلۂ جاں، منظرِ اشراق

اے موطن مردانِ ہنرپیشۂ مشہور

خاکم بدہاں سوزدت ایں سینۂ زاحراق

زاں آتش اسکندری اندر شبِ دیجور

یاروسیان زیور تو بردہ بتاراج

بشکستہ شد از ننگ وہم بزدہ شد تاج

(۳)

گر مرد نداریم بیائید زنی چند

گرد آمدہ سامانِ وطن را بنیو زاد[1]

آراستہ سازید و نشانید وتنی چند

کشیدہ[2] کشہ بر کث[3] ظلم پئے داد

رستائی و شہری بشود پہلوی ایدون

در کوے وطن علم و معارف شود افزوں

[1] نظم و انتظام [2] خطا بطلان [3] کشہ بر دزن پیشہ، اعلان دستور،

(۴)

ا مردہ شما زندہ چنیں ملک نباید

آں شوکت و آں عزت و رفعت ہمہ شد، ہیچ

ایں خواب کہ مرگ است ازیں بیش نشاید

ترسم شود وت نالہ‌ہا در ہلہ پا ہیچ

یکبار بہوش آئی و بینی کہ اسیری

از ہند تو عبرت کن اگر مرد دلیری[1]

عبدالحسین خاں سپنتا نے بعض نظمیں کہی ہیں، جو وطنیت کے جذبات کی غماز ہیں، اُس کی رباعیاں شیرینی اور بلاغت کے لئے مشہور ہیں، ایک رباعی میں وطن کی محبت کا نقشہ بڑے لطیف اور دلنشیں پیرائے میں پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو،

وطن

گل گفت بگلدان: غمِ دیریں دارم ‏ پژمردہ دلم، حالتِ غمگیں دارم

ہر چند کہ خانۂ بلوریں دارم ‏ دور از وطنم خاطرِ خونیں دارم[2]

جدید ایرانی شاعری میں وطنیت کا یہ اجمالی خاکہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ ایرانی قوم اب جمود سے نکل کر عمل کی راہ پر گامزن ہے، ایران کی کلاسیکی شاعری کم و بیش گل و بلبل اور زلف و سنبل کی رومانی یا مریضانہ داستان ہے، عربوں کے برخلاف جو سراپا عمل تھے، ایرانی خیال پرست، لفاظ، طماع اور تعریف کے پرستار رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایران میں لمبے لمبے بے معنی قصیدے اور طویل اکتا دینے والی مثنویوں کی بھرمار رہی لیکن دور مشروطہ میں، اور اس کے بعد ایرانی شاعری میں جو انقلاب آیا ہے، وہ

[1] سخنوران ایران ا ص ۲۳۰ [2] ص ۳۲۱ PPR،

بڑے دور رس نتائج کا حامل ہے، اور اس کی گونج ایرانی زندگی کے ہر شعبے میں سنائی دیتی ہے، وطنیت اور حریت کا تصور اگرچہ اُن کے لئے نیا نہیں ہے لیکن اب اس میں زیادہ توانائی، تازگی اور گیرائی آ گئی ہے اب ایرانی سمجھ چکے ہیں کہ فطرت لہو ترنگ ہے، جل ترنگ نہیں، اسی لئے یہ دل و جگر کے خون سے سرمایۂ حیات حاصل کرتے ہیں، استبدادیت اور غیر ملکی ریشہ دوانیوں کے صبر آزما دور میں، تیر و تفنگ اور توپوں کی سنسناہٹ اور گرج میں بموں کی بارش اور دار و رسن کی آزمایش میں بھی ان سرفروشوں نے اپنا پیغام قوم تک پہنچایا، صدیوں سے بے حس اور بے عملی کے دلدل میں پھنسے ہوئے عوام کو حرکت اور عمل کی راہ پر گامزن کیا، مجبور اور بیکس قوم کے سینے میں امید، عزم اور جوش کے دیئے روشن کئے، طاؤس و رباب سے منافرت سکھائی، اور شمشیر و سنان کو گلے لگانے کا جذبہ پیدا کیا، وطن کی عظمت اور انسان کی بزرگی کا رجز لکھا، اور یزدان و اہرمن کے فرق کو ذہن نشین کرایا،

فکر و فن کے لحاظ سے اگرچہ اُن کی نگارشات میں زیادہ گہرائی نہ مل سکے لیکن اُن کے خلوص اور جذبات کی صداقت میں کسی کو شبہہ نہیں، ان شاعروں نے اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھا اور جو کچھ محسوس کیا انھیں سادگی، سلاست اور صداقت سے عوام تک پہنچا دیا، جو بجائے خود ایک بڑا فن ہے، اور یہی ایک نکتہ جدید ایرانی شاعری کو آفاقی اور غیر فانی بنانے کے لئے کافی ہے،

اک صدق مقال ہے کہ جس سے — یہ چشم جہاں میں ہے گرامی[1]

---

[1] علامہ اقبال کا شعر بہ ادنیٰ تصرف،

باب التقریظ والانتقاد

الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند

از مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

یہ ایک کتاب کا نام ہے جو اس صدی کی ابتدا کے مشہور و معروف عالم اور سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا عبد الحئی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جس کو ممالک اسلامیہ کے مشہور و ممتاز علمی ادارہ المجمع العلمی دمشق نے اپنی سابقہ روایت کے مطابق بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، المجمع العلمی کے ساتھ مصنف کے خلف الصدق مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی بھی تمام اہل علم کی طرف سے مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں، جن کی کوشش اور علمی و دینی اثر کی وجہ سے تیس چالیس برس کے بعد یہ قیمتی علمی ذخیرہ منصۂ شہود پر آیا ہے،

یوں تو مسلمان جس ملک میں بھی گئے وہاں کی تہذیب و تمدن اور علم و فن میں بیش بہا اضافہ کیا، ان خطوں کو جانے دیجئے جہاں سمٹک زبانیں بولی جاتی ہیں، وہاں کی تو انھوں نے دنیا ہی بدل دی مگر ان خطوں میں بھی ان کے تہذیبی اور ثقافتی آثار اور نقوش کافی نمایاں ہیں جہاں آریائی زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں خاص طور سے دو ملکوں پر ان کے اثرات بہت زیادہ پڑے ہیں، ایک ایران اور اس کے ملحقات، دوسرے ہندوستان اور اس کے متعلقات، ہندوستان میں مسلمان تقریباً بارہ تیرہ سو برس سے مستقل طور پر آباد ہیں، اور انھوں نے یہاں کی سیاست و حکومت کے ساتھ

تہذیب و ثقافت اور علم و فن کے ہر ہر شعبے میں نمایاں حصہ لیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی اور تمدنی تاریخ پر تو عربی، فارسی، انگریزی اور اردو میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں، لیکن ان کی ثقافتی اور علمی تاریخ کا کوئی ایسا جامع تذکرہ اب تک نہیں لکھا گیا تھا کہ اس سے مسلمانوں کی علمی و فنی خدمات کا امتیاز بھی معلوم ہو سکتا، اور یہ بات تاریخی شہادت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اس ملک سے کچھ لینے نہیں بلکہ اس کو کچھ دینے آئے تھے، اور ہندوستانی مسلمانوں کے کردار کا اندازہ صرف ان کی سیاسی ہنگامہ آرائی ہی سے نہ لگایا جائے بلکہ ان کے کردار کی اصلی جھلک دینی، ثقافتی اور علمی زندگی میں تلاش کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مصنف کو جنھوں نے آج سے تیس چالیس برس پہلے اس کا احساس کیا اور اس کمی و ضرورت کو پورا کر دیا، یہ کتاب آج سے بہت پہلے شائع ہو جانی چاہیئے تھی، مگر یہ ہماری علمی ناقدردانی تھی کہ اتنی مدت کے بعد شائع ہو سکی، یہ کتاب ہندوستانی مسلمانوں علمی و فنی کارناموں کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس میں عربی، فارسی اور اردو کی جتنی اہم کتابیں ہیں سب کا ذکر آگیا ہے، اس کتاب کو ہر کتبخانہ بلکہ ہر پڑھے لکھے گھر میں ہونا چاہیے، اگر اس کتاب کا مکمل نہیں تو کم از کم بعض حصے کا انگریزی، اور ہندی میں ترجمہ ہو جاتا تو اس سے ایک بڑی علمی ضرورت بھی پوری ہو جاتی، اور اس سے غلط فہمی کے بہت سے پردے بھی چاک ہو جاتے،

مصنف ایک دو نہیں بلکہ ایک درجن سے زیادہ محققانہ علمی و دینی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "گل رعنا"، "جنۃ المشرق" اور "نزہۃ الخواطر" سے اہل علم واقف ہو چکے ہیں، "الثقافۃ الاسلامیہ" غالباً ان کی آخری تصنیف ہے، اور ان میں سب سے زیادہ تحقیقی اور علمی کتاب ہے،

مصنف کو خدا تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی تصنیفی صلاحیت عطا کی تھی، ان کی چند تصنیفی خصوصیات جو ان کی ہر کتاب میں نمایاں ہیں، ان میں اس عہد کے بہت کم مصنفین ان کے

سہیم و شریک ہیں، وہ خصوصیتیں یہ ہیں، محنت و تحقیق، جامعیت و سلامت فکر، اعتدال و ایجاز، حسن بیان اور لطف زبان، یعنی وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں، اس میں ڈوب کر لکھتے ہیں، اور موضوع کے تمام ضروری پہلوؤں کو پورے طور پر سمیٹ لیتے ہیں، کسی بات کے بیان کرنے میں خواہ اردو میں بیان کریں یا عربی میں ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہیں،

پھر اس ایجاز کے ساتھ بیان میں اس قدر سلاست، روانی اور شیرینی ہوتی ہے کہ پڑھنے والی کی طبیعت اکتاتی نہیں، بلکہ لذت محسوس ہوتی ہے، خاص طور پر اس کتاب میں یہ خصوصیتیں اور نمایاں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے،

کتاب میں کل ۴ ابواب اور ایک خاتمہ ہے، پہلے باب میں نو فصلیں ہیں جس میں علم الاشتقاق، فن لغت، نحو و صرف، فن بلاغت، فن عروض، علم ادب انشا، فن تاریخ اور فن جغرافیہ پر جو کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں انکی تفصیل ہے، دوسرے باب میں چھ فصلیں ہیں جن میں فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، تصوف و سلوک اور علم کلام کی کتابوں کی تفصیل ہے، تیسرے باب میں بھی چھ فصلیں ہیں، جن میں بحث و مناظرہ، منطق و فلسفہ، ریاضی اور طبی تصنیفات کا ذکر ہے، ریاضی اور طب کے تمام شعبوں کی الگ تفصیل کی ہے، مثلاً جر اثقال میں مسلمانوں نے کیا کیا علمی و عملی کارنامے انجام دیے، جبر و مقابلہ، زمین کی پیمائش اور ہیئت میں کیا کیا کتابیں لکھیں اور رصد گاہوں اور اصطرلابوں وغیرہ کے سلسلہ میں انھوں نے کیا علمی و عملی نقوش قائم کیے ہیں، اسی طرح طب کے مختلف شعبوں، مفردات، قرابادین، اور حیوانات وغیرہ کے علاج میں انھوں نے کیا خدمات انجام دی ہیں، چوتھے باب میں ہندوستان کی اردو فارسی اور ہندی شاعری اور ان کے مشہور شعرا کا تذکرہ کیا ہے، عربی شاعری اور شعرا کا تذکرہ عربی ادب کے ذکر کے ضمن میں آگیا ہے، خاتمہ میں چار فصلیں ہیں، سب سے پہلی فصل میں، ان دینی کتابوں کے ترجموں کی تفصیل ہے جو ہندو یا عیسائی مذہب سے متعلق ہیں، اور جن کا

ترجمہ سنسکرت، عربی، فارسی یا ہندوستان کی کسی زبان میں ہوا، دوسری اور تیسری فصل میں تاریخی اور ہندوستانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ کی تفصیل ہے اور چوتھی فصل میں طبی کتابوں کے تراجم کا ذکر ہے۔

مصنف جب کسی فن کی تصانیف یا تراجم کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے اس فن کی ابتدا اور نشو و نما کی اجمالی تاریخ بیان کرتے ہیں، اور اس فن کی اہم تصانیف کا ذکر کرتے ہیں، اسکے بعد ہندوستان میں اس فن کی آمد یا ابتدا کا مختصر ذکر کرکے پھر اس فن پر ہندوستان میں جو کچھ کام ہوا ہے اس کو صدی کی ترتیب سے بیان کرتے ہیں،

مصنف کی محنت و تحقیق اور کتاب کی جامعیت کا پورا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے، جب آپ کسی فن کو بطور موضوع اختیار کریں، اور اس پر ہندوستان میں جو کچھ کام ہوا ہے، اس کی تلاش و تحقیق کے بعد ایک فہرست تیار کرلیں، اور پھر اس فہرست کو سامنے رکھکر اس کتاب کا مطالعہ کریں، مجھے یقین ہے کہ آپ کی اس مرتب کردہ فہرست میں کہیں نہ کہیں کوئی نقص ضرور نظر آجائیگا، خود راقم نے آج سے سات آٹھ برس پہلے "ہندوستان میں علم تفسیر" کے موضوع پر ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور عربی فارسی، اردو کے تمام متداول تذکروں کی ورق گردانی اور محنت و تحقیق کرکے اس پر مواد فراہم کیا تھا، اور ایک فہرست مرتب کرلی تھی، مگر سوء اتفاق سے مضمون لکھنے کی نوبت نہ آسکی، جب یہ کتاب سامنے آئی تو میں نے اپنے فراہم کردہ مواد پر نظر ڈالی، تو یقین ہو گیا کہ اگر یہ مضمون اس وقت لکھا جاتا تو ناقص رہ جاتا، گو اس فن کی بعض اہم تحریری یادگاروں کا ذکر مصنف کے قلم سے بھی رہ گیا ہے، مگر پھر بھی اس کی جامعیت پر کوئی حرف نہیں آتا،

مصنف کو اس کتاب کے مرتب کرنے کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں صفحات کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا پڑا ہوگا، اور بقول علامہ شبلی شکر کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو

نہ جانے کہاں کہاں سے چن کر انھوں نے مٹھائی کا یہ خوان تیار کیا ہوگا۔

ہندوستان میں عربی و فارسی نصاب تعلیم پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں وہ بالکل منفرد ہیں، اس سلسلہ میں ان کو کتنی عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی، اس کا اندازہ خود ان کے اس بیان سے ہوتا ہے،

ولکن تصفحت کتباً کثیرۃ من تاریخ	میں نے بیشمار تاریخی کتابیں، شعرا کے تذکرے،
الملوک والشعراء، وطبقات المشائخ	طبقات مشائخ، ان کے مکتوبات و ملفوظات
ومکتوباتھم وملفوظاتھم	کی ورق گردانی کی اور سے معلومات جمع
واخذت شیئاً شیئاً منھا حتی	کرتا گیا، یہانتک کہ اتنا مواد فراہم ہو گیا جتنا
احطت بمالم یحط بہ قبلی	اس سے پہلے کسی نے فراہم نہیں کیا تھا،
وذالک من منن اللہ علی	اور یہ میرے اوپر خدا کا احسان ہے،

اس کتاب کی دوسری خصوصیت سلامت فکر اور اظہار رائے میں اعتدال ہے، مولف انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع کے آدمی ہیں اور یہی زمانہ ہے جس میں مختلف مسلمان فرقوں اور گروہوں میں مناظرہ بلکہ مجادلہ کا بازار گرم تھا، مخالف گروہ یا فرقہ کا آدمی خواہ اپنے علم و فضل اور دیانت و تقوی میں کتنا ہی اونچا مقام کیوں نہ رکھتا ہو، دوسرے گروہ کا آدمی یہی نہیں کہ اس کا اعتراف نہیں کرتا تھا، بلکہ اس کی تفسیق و تکفیر تک میں اپنی زبان اور قلم کو ملوث کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس دور کی بیشتر علمی و دینی کتابوں میں اس کی جھلک نظر آئے گی، اس کشمکش کا بنیادی سبب جزئیات میں غلو اور اپنے مسلک سے مخالفت کرنے والے کے علم و فضل اور دیانت و تقوی کے اظہار میں بے اعتدالی تھی، جو عوام و خواص سب میں عام تھی، لیکن اسی بے اعتدال ماحول میں کچھ ایسے صاحب اعتدال اور

سلیم الفکر افراد بھی موجود تھے، جنھوں نے نہ صرف اس کشمکش میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اس کے خلاف آواز بلند کی، ان ہی میں مولانا سید عبد الحئی رحمۃ اللہ بھی ہیں، اسی سلامت روی اور اعتدال کی وجہ سے وہ مجلس ندوۃ العلماء کے پہلے ناظم بھی بنائے گئے، جس کا ایک بنیادی مقصد اس کشمکش کو دور کرنا بھی تھا،

مولف مرحوم نے اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کے مختلف گروہوں اور ان کے مخالف فرقوں مثلاً شیعوں اور اسماعیلیوں اور غیر مسلموں کے مختلف فرقوں کے علمی کاموں کا ذکر کیا ہے، مگر انکا قلم حد اعتدال سے شاذ و نادر ہی ہٹا ہے، جو جس قدر تعریف کا مستحق ہے اس کی اسی قدر تعریف کی ہے، اور جس کی جو چیز قابل تنقید و مذمت ہے اس پر اسی قدر تنقید اور مذمت کی ہے، مثال کے طور پر ہم دو چار مقامات کی عبارتیں پیش کرتے ہیں، گو تبصرہ لمبا ہو رہا ہے مگر اپنے اس تاثر کو بے دلیل چھوڑ دینے کی صورت میں ناظرین تشنگی محسوس کریں گے، اس لیے دو تین مثالیں پیش کرتا ہوں،

گیارھویں صدی سے پہلے، یہاں فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ کے ساتھ غیر معمولی شغف اور حدیث سے بے اعتنائی تھی، اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

وكان الفقه واصوله معيار	فقہ و اصول فقہ کا حصول اس عہد میں
الفضيلة لاهل هذه الطبقة	اسی طرح معیار فضیلت بنا ہوا تھا،
كما ان المنطق والحكمة معيارها	جس طرح منطق و فلسفہ معیار
فی هذا الزمان (ص ۱۳)	فضیلت تھا،

حدیث سے بے اعتنائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ورفض عرض الفقه على	فقہ کو کتاب و سنت پر پیش کرنے اور

الكتاب والسنة وتطبيق المجتهدات	مجتہدات کو سنن ماثورہ کے ساتھ تطبیق دینے
بالسنن المأثورة عن النبي	کا کام بالکل ختم ہوگیا تھا، اور ان کی نظر
صلی الله عليه وسلم وكان قصارى	علم حدیث میں صرف مشارق الانوار صغانی تک
نظرهم في الحديث مشارق	محدود ہو کر رہ گئی تھی، اگر کسی کی رسائی
الانوار للصغاني فان ترفع	مصابیح السنۃ بغوی تک ہو گئی تو اس کو لوگ
احد الى مصابيح السنة للبغوي	مرتبۂ محدثین پر فائز سمجھتے تھے اور یہ
ظنوا انه قد وصل الى درجة	سب کچھ حدیث سے ناواقفیت
المحدثين وما ذالك الا لجهلهم	کی بنا پر تھا،
بالحديث (ص ۱۳)	

پھر اس سلسلہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اور خانوادۂ ولی اللٰہی کی خدمات کو سراہا ہے، نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ کے مرتب کردہ درس نظامیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهذا يحصل للطلبة بعد دراستهم	اس درس سے طلباء میں قوت مطالعۂ دقت نظر
لذالك قوة المطالعة ودقة النظر	اور علمی مہارت اور کمال کے حصول
والاستعداد لتحصيل الكمالات	کی استعداد پیدا ہو جاتی تھی، اگرچہ وہ بالفعل
العلمية وان كانوا لا يكونون بالفعل	کامل و ماہر نہیں ہوتے تھے.

لیکن اسی کے ساتھ درس نظامیہ میں جو نقص ہے اس پر بھی بحث کی ہے،

اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں کتاب و سنت سے براہ راست اخذ و استفادہ اور احیاء سنت کا جو جذبہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور خانوادۂ ولی اللٰہی کی سعی مشکور سے پیدا ہوا، اس کے نتیجہ میں فقہ و حدیث کے مختلف مکاتب فکر پیدا ہو گئے جن میں سے بعض تو

اعتدال پر قائم رہے، اگر بعض افراط و تفریط کا شکار ہو گئے، ان سب کی مختصر تفصیل مولانا نے کی ہے،

ہندوستان میں حنفی و شافعی مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستان کے عام لوگ قدیم زمانہ سے امام ابو حنیفہ کے مسلک کے پیرو ہیں، البتہ بعض ساحلی علاقے مثلاً مدراس، مالابار، کوکن وغیرہ میں شافعی المسلک بھی ملتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں زیادہ تر اہل یمن اور اہل حجاز آئے جو عام طور پر شافعی ہوتے تھے اور انکے اثر سے یہ بھی شافعی المسلک ہو گئے، اس کے بعد ان ہی مقلدوں میں سے کچھ اہل علم پیدا ہوئے جنھوں نے کسی متعین فقہی مسلک کو ترک کر کے براہ راست کتاب و سنت سے تمسک کیا، لیکن ان میں مختلف گروہ ہو گئے تو ان میں جن لوگوں نے افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی، انھوں نے یہ رائے دی کہ اگر کوئی عالم براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسے اپنے امام کے کسی قول کے خلاف کوئی روایت مل جاتی ہے تو اس صورت میں کسی خاص امام کی تقلید کرنی جائز نہیں ہے بلکہ اسے روایت پر اعتماد کرنا چاہیے گو فی نفسہ تقلید امام جائز ہے؛ اس لیے اس کو جائز نہ قرار دیا جائے تو عام لوگوں کو بڑی زحمت پیش آئے گی، یہی مسلک شاہ ولی اللہ دہلوی کا، اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کے اکثر متبعین کا تھا،

ان میں بعض لوگوں نے تقلید کو حرام قرار دیا، اور صرف کتاب و سنت کے صریح احکام کی پابندی کو واجب قرار دیا اور قیاس اور اجماع کو بالکل باطل قرار دیا، یہ مسلک مولوی فاخر بن یحییٰ عباسی، شیخ نذیر حسین، جواد علی دہلوی، نواب صدیق حسن اور انکے اتباع کا ہے،

ان ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے حرمت تقلید میں حد درجہ افراط سے کام لیا اور حد سے گزر گئے، مقلدین کو بدعتی قرار دیا اور ان کو اہل اہوا میں داخل کیا، ائمہ کے

اوپر سخت تنقید کی، یہ مسلک شیخ عبد الحق بنارسی اور شیخ عبد اللہ الہ آبادی وغیرہ کا تھا،"

یہ تو متبعین حدیث کا حال تھا، اہل تقلید کے بارے میں لکھتے ہیں:

"احناف میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جنھوں نے تحقیق و انصاف سے کام لیا، مثلاً علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی صاحب رسائل الارکان اور مولانا عبد الحئی بن عبد الحلیم صاحب التعلیق الممجد وغیرہ اور ان ہی میں بعض نہایت ہی سخت قسم کے جامد مقلد تھے، جیسے شیخ فضل رسول اور ان کے اتباع"

اسی طرح انھوں نے تصوف اور شیعیت وغیرہ کے بارے میں نہایت ہی متوازن اور صائب رائے دی ہے، خاص طور پر تصوف کے بارے میں یہ رائے دیکھیے انھوں نے اس پر بہت اچھا تبصرہ کر دیا ہے،

علمائے امت میں بعض لوگوں نے تصوف اور اہل تصوف پر تنقید کی ہے، اور بعض نے اس کو پسند کیا ہے لیکن اس کے رد و قبول کرنے کے سلسلہ میں دلیل و حجت کچھ زیادہ سود مند نہیں ہے، ایک خالص ذوقی اور وجدانی چیز ہے"

ایجاز و لطف بیان اس کتاب کی تیسری اور چوتھی خصوصیت ایجاز اور لطف بیان ہے، ادب اور محاضرات کی کتابوں میں تو ان خوبیوں کو نباہ لے جانا آسان ہوتا ہے لیکن خالص علمی کتابوں میں دونوں خوبیوں کو یکجا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ہندوستان میں جو ادبی کتابیں لکھی گئیں، ان میں عام طور پر حریری کے مصنوعی طرز تحریر کی نقل کی گئی، اور جو کتابیں علوم و فنون پر لکھی گئیں ان میں یا تو پیچیدہ اور منطقیانہ رنگ اختیار کیا گیا یا پھر کان اکون والی ہندوستانی عربی لکھی گئی، اس سے جو لوگ مستثنیٰ تھے، ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب ان سب کے سرخیل ہیں، شاہ صاحب کے بعد اور آج سے تیس برس پہلے

کے جن علما کی عربی تحریروں کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے، راقم کے نزدیک ان میں مولانا عبد الحئی کا علم نام سر فہرست ہوگا، طوالت کا خیال ہے ورنہ ہم انکی تحریروں کے مختلف ٹکڑے نقل کرکے ناظرین کو بھی اس لطف میں شریک کرتے، اسکا کچھ اندازہ تو اوپر کی بعض عبارتوں سے بھی ہوگیا ہوگا، مگر اسکے لیے خاص طور پر اس کتاب کے ابتدائی ۱۶ صفحے اور ہر باب کی تمہید کا مطالعہ کرنا چاہیے، اپنی جامعیت کے باوجود کتاب میں بعض کمیاں ہیں جو پوری ہو جائیں تو یہ کتاب مسلمان عہد کی ہندوستانی تصانیف کی دوسری کشف الظنون بن جاتی،

اس کتاب میں تفسیر کی بعض قدیم اور بعض جدید کتابوں کا ذکر مصنف کے جامع قلم سے رہ گیا ہے، خاص طور پر سندھی زبان میں قرآن کے سب سے پہلے ترجمہ کا ذکر مصنف نے نہیں کیا ہے جس کے بارے میں بزرگ ابن شہریار نے لکھا ہے کہ سندھ کے ایک ہندو حاکم نے ایک ہندوستانی عالم سے یہ فرمایش کی تھی کہ:

قرآن کی تفسیر ہندی (سندھی) میں کردیں،

بعض اور تفسیر کی کتابوں کا ذکر رہ گیا ہے، اسی طرح قرآن کی لغت اردو کی کتابوں کا ذکر بھی نہیں ہوسکا ہے، ان میں ایک مولانا محمد سلیم صاحب کی تیسیر القرآن وتسہیل الفرقان ہے جو پہلی بار ۱۲۶۰ھ میں چھپی اور دس برس میں اس کے کئی اڈیشن نکلے، دوسری کتاب میر حسن کی انفس النفائس ہے اور جو پہلی بار ۱۲۶۱ھ میں چھپی، تیسری کتاب مولوی اوحد الدین صاحب بلگرامی کی منتخب النفائس ہے جو پہلی بار ۱۲۷۱ھ میں چھپی،

انکے علاوہ بعض دوسرے فنون کی بعض اہم کتابوں کا ذکر بھی اس میں نہیں ہوسکا ہے، اس سلسلہ میں راقم کا مشورہ ہے کہ آیندہ اڈیشن میں کتاب کا ایک ضمیمہ بھی شائع کیا جائے جس میں مصنف کے بعد سے اب تک جو اہم علمی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر آجائے[1]، نیز اسی کے ساتھ کتاب کا ایک مفصل انڈکس بھی ہونا چاہیے جس میں مصنفین اور کتابوں کے اسماء کا حروف تہجی کے اعتبار سے علحدہ علحدہ ذکر ہو، اس سے کتاب سے فائدہ اٹھانے میں بڑی آسانی ہو جائے گی،

[1] معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی کی نگرانی میں مولوی شبیر عطا ندوی نے اس کا ضمیمہ تیار کر لیا ہے جو مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم کی نظر ثانی کے بعد پریس میں جاچکا ہے۔

مطبوعات جدیدہ

دین و شریعت - از مولانا محمد منظور نعمانی، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۸۸ مجلد مع گرد پوش، قیمت ے، پتہ: کتبخانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ،

یہ کتاب مصنف کی چند تقریروں کا مجموعہ ہے، جو نظر ثانی اور اضافوں کے بعد کتابی شکل میں شائع کی گئی ہے، اس میں دین و شریعت کے بنیادی اصول یعنی ایمانیات و اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق اور حکومت و سیاست و تصوف و احسان سے بحث کی گئی ہے، اور ان کی اہمیت و ضرورت اور ان سے متعلق ضروری باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، غیر موثر اور بے روح عبادات کو خالص اور موثر بنانے کے طریقے بتائے گئے ہیں، ایک باب میں دین کی خدمت و نصرت کی مختلف صورتوں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تبلیغ وارشاد، تعلیم و تربیت اور قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، حکومت و سیاست کے باب کا وہ حصہ خاص طور سے زیادہ مفید ہے، جس میں غیر اسلامی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، فاضل مصنف دینی بصیرت اور اسلام کی خدمت کا مخلصانہ جذبہ رکھنے کے ساتھ اس دور کے حالات اور تقاضوں سے بھی باخبر ہیں، اس لیے ملحدین اور اہل زیغ وضلال کے شکوک و شبہات اور مغالطوں کا جواب بھی دیتے گئے ہیں، اس لیے یہ کتاب ہر حیثیت سے بڑی قابل قدر ہے، مصنف کے پختہ قلم اور موثر اسلوب تحریر نے اس میں مزید دلنشینی اور تاثیر پیدا کردی ہے، جس سے ایمان میں تازگی اور عمل میں درستگی

پیدا اتی ہے، یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس سے اوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگ فائدہ اٹھائیں،

اردو میں تنقید - از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۱۸۲ مجلد مع رنگین گرد پوش، قیمت عہ، پتہ ادارۂ فروغ اردو،

یہ لائق مصنف کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں آزاد، حالی، شبلی اور عبد الحق کی تنقیدی مساعی کا جائزہ لیا گیا ہے، اور ان کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے، شروع میں ایک مختصر مقدمہ اور آخر میں "اردو تنقید کا مستقبل" کے عنوان سے ایک مقالہ ہے، جس میں کلیم الدین احمد صاحب سے اردو تنقید کے خوشگوار مستقبل کی امید وابستہ کی گئی ہے، مصنف نے اگرچہ مذکورۂ بالا ناقدین کی تنقیدی خدمات کی داد دی ہے، اور ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے، مگر ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں خامیوں کو زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کی تحریر میں اعتدال و توازن قائم نہیں رہ سکا۔ اور تنقید کا لہجہ جابجا درشت ہوگیا ہے، آزاد اور شبلی کے خیالات سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو مگر ان کے علمی و ادبی خدمات اور ان کی عظمت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، جس کا اعتراف خود مصنف کو بھی ہے، اس لیے ایسے اساطین ادب کے مقابلہ میں اس قسم کا لہجہ مناسب نہیں ہے، مگر مصنف کے حسن نیت میں شبہہ نہیں، انھوں نے تلاش و محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اور اس سے ان کی جدت و ذہانت کا پتہ چلتا ہے،

لغات القرآن جلد ششم } تالیف مولانا سید عبد الدائم الجلالی، لمبی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت معیاری، صفحات ۳۲۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت حیہ، غیر مجلد للعہ

ناشر ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی،

اس مفید کتاب کے پانچ حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں، جن پر معارف میں ریویو کیا جا چکا ہے، اس آخری حصہ میں بھی وہ خصوصیات موجود ہیں جو پہلی جلدوں میں تھیں، اللہ تعالیٰ ناشر اور مولف کو اس خدمت قرآنی کا اجر اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

"ض"

جلد ۸۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۵۹ء نمبر ۲

مضامین

فہرست مضامین معارف

جلد ۸۴

جولائی ۱۹۵۹ء تا دسمبر ۱۹۵۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)